دار العلوم دیوبند
صدر جمہوریہ ہند
دار العلوم دیوبند میں
شائع کردہ
دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند

مندرجات

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہ

پیش لفظ

دارالعلوم دیوبند جیسے غریب منش اور متوکل ادارہ میں جس کی تمام تر پونجی سادگی، بے تکلفی، قناعت اور ظاہری کروفر سے یکسو رہ کر خالص علم اور دین کی خدمت ہے۔ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کا بہ حیثیت صدر مملکت تشریف لانا عجیب مگر انتہائی طور پر مسرت انگیز ہے۔ اس غریب ادارہ میں ہندوستان کی عظیم جمہوریہ کے صدر کے شایانِ شان نہ خیر مقدم کا کوئی سامان مہیا تھا نہ استقبال کے پرشکوہ وسائل جمع تھے جن کو سامنے رکھ کر خوش آمدید کا کوئی رسمی حق ادا کیا جاتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم لوگوں کی سادگی یا خیر مقدم کی کوتاہی کو صدر محترم کی ذاتی سادگی، بے تکلفی اور طبعی ملنساری نے نباہ دیا اُنہوں نے اول سے آخر تک خدام دارالعلوم کے ساتھ جو برتاؤ فرمایا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے عظیم منصب کے لحاظ سے بلاشبہ صدر جمہوریہ ہند ہیں لیکن اپنی طبعی افتاد کے لحاظ سے ایک نہایت ہی ملنسار باوقار اور بڑے بوڑھوں کی سی مشفقانہ شان رکھتے ہیں جس میں ہر بڑے چھوٹے کی دلداشت اور حسب حیثیت ہر ایک کو نباہنے کا بے پناہ جذبہ موجود ہے۔ یہی ایک چیز تھی جس نے انکی طرف جذب و کشش کو زیادہ سے زیادہ اُبھارا اور مہمانداری کی کوتاہیوں کے غم کو بھلا دیا۔

مہمان کی شان کے مطابق اکرام و مدارات کی شرعی حقیقت بھی ہے اور دارالعلوم کی تاریخ بھی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں سردارانِ قریش آئے، جو ہنوز غیر مسلم تھے تو آپ نے ان کی مدارات میں بدن مبارک سے اپنی چادر اتار کر ان کے لئے بچھا دی جس کا مقصد بجز اکرامِ ضیف کے دوسرا نہ تھا، حضور کی چادر مبارک ایک مسلمان کے عقیدہ کے مطابق دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی اور عظیم المرتبت ہے۔ جو سردارِ دو عالم کے ہاتھوں مہمان کی مدارات میں استعمال

ہوئی۔ اس میں امت کے لئے تعلیم تھی کہ مہمان کی حیثیت کے مطابق بلا تفریق مذہب و ملت اپنی قیمتی سے قیمتی چیز کو مداراۃ میں لگا دینا ہی مقتضائے شریعت ہے۔

اسی تعلیم کے ماتحت دارالعلوم اپنے معزز مہمانوں کے مراتب و درجات کے مطابق اکرام ضیف کے فرائض ادا کرتا رہا ہے۔ اور وہ اگر دنیوی حیثیت کی بلند پایہ شخصیتوں کی مہمانی کے لئے اُنکے شایانِ شان سامان نہیں کر سکا تو اُسنے اپنی غریبانہ چادرہ بچھا دینے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ اس عظیم علمی مرکز میں حکام ضلع و صوبہ، وزراء اور والیان ملک سب ہی آئے اور ہر دور میں آتے رہے لیکن "جیسا آدمی ویسی خادمی" کا اصول ہمیشہ اس کے پیش نظر رہا۔ حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے زمانۂ سرپرستی میں بعہد اہتمام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و بزمانہ صدارت تدریس حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ لاٹوش گورنر یوپی وارد دارالعلوم ہوئے اور پھر حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد انہی دونوں بزرگوں کے دور قیادت میں سرجیمس مسٹن گورنر یوپی، دارالعلوم میں آئے تو ان دونوں دوروں میں نودرہ کے صحن میں ان کیلئے مزین اسٹیج لگایا گیا ان کیلئے میز کرسی سجائی گئی، دارالمشورہ کے ہال میں انہیں چائے کی مکلّف پارٹی دی گئی جس میں مقامی اور غیر مقامی معززین کو مدعو کیا گیا۔ دارالعلوم کے دروازوں پر سرخ کپڑوں میں سنہرے حروف سے "اہلاً وسہلاً" لکھ کر خیر مقدم کیا گیا، پھر اسی نہج پر بعد کے دور میں وزیر تعلیم صوبہ بنگال مولوی تمیز الدین خاں صاحب قومی حکومت کے دور میں صوبہ یوپی کے وزیر جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب اور ابھی ماضی قریب میں مرکزی حکومت ہند کے وزیر تعلیم حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تشریف آوری اور اس کے بعد عالیجناب انور السادات وزیر تعلیم حکومت مصر، عالیجناب آغائے علی اصغر حکمت سفیر مملکت ایران اور عالی جناب یوسف فوزان سفیر مختار حکومت عربیہ سعودیہ کے ورود پر ان کی معتدد شخصیتوں کے مناسب حال مداراۃ کے فرائض ادا کئے گئے جسے ہم ان کی شان کے مطابق اگر نہیں کر سکتے تو اپنی حیثیت کے پیش نظر غریبانہ چادرہ بچھا دینے سے ضرور تعبیر کر سکتے ہیں۔ بہرحال اس قسم کی تقریبات اجتماعی اور جماعتی اداروں میں پیش ہی آتی ہیں اور

اپنے فرائض کو پہچان کر انہیں ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ جو شخصی کاموں سے یقیناً مختلف ہوتے ہیں
۱۴ر جولائی ۵۷ء کو ہندوستانی حکومت کی آخری انتہائی شخصیت عالیجناب ڈاکٹر راجندر پرشاد
حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے جبکہ دارالعلوم جیسے علمی مرکز میں اپنے ذاتی شوق اور دارالعلوم کی
درخواست پر تشریف فرما ہوئے تو دارالعلوم نے اپنی سابقہ روایات کی روشنی میں اپنے فرائض
کو محسوس کیا اور وہ رسمی انداز کے خیر مقدموں کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہ تھے کہ اس نے
مہمان محترم کے لئے اپنی غریبانہ چادر بچھا دی، انہوں نے بھی اسے رسمیاتی قسم کے سامانوں سے زیادہ
اہمیت دیتے ہوئے قدرشناسی کے انداز سے قبول فرمایا اور ہماری حوصلہ افزائی کے لئے وقیع
سے وقیع کلمات استعمال کرتے ہوئے یہاں تک بھی کہا کہ "میں یہاں دیرینہ تمنا اور شوق کے
ساتھ آیا اور یہاں سے کچھ لے کر جا رہا ہوں" صدر جمہوریہ ہند کا یہ آخری جملہ جہاں اس ادارہ کے
لئے ایک سامان فخر کہا جا سکتا ہے وہیں میں سمجھتا ہوں کہ ذمہ داران حکومت اور ارباب دولت و اقتدار
کے لئے بھی علمی مراکز کی حاضری ہمیشہ سرمایۂ عزت و وقار رہی ہے اور علم کے سرچشمے ہمیشہ اس کے
مستحق رہے ہیں کہ دولت اُن کے سامنے سر جھکائے۔ یہ حقیقت ہے کہ صدر محترم نے اس حقیقت
کو محسوس فرمایا، اور اپنی آخری تقریر میں اس علمی مرکز کی عزت و حرمت کا اعتراف کرتے ہوئے
فرمایا کہ "پچھلے زمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جو علم کو علم کے لئے حاصل کرتے اور پھیلاتے
تھے اور ان کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ آج دارالعلوم دیوبند بھی اسی نقش قدم پر
گامزن ہے"۔ پس ہم اولاً صدر محترم کی تشریف آوری اور پھر اُن کی اس حوصلہ افزائی اور
ذرہ نوازی پر صمیم قلب سے سپاس گذار ہیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ دارالعلوم کی عمارات اور احاطوں سے متعلق بہت سی مجوزہ ترمیمات اور تعمیری
سلسلے جو زیر غور تھے صدر محترم کی تشریف آوری کے محرک سے عمل میں آ گئے اور مکمل ہو گئے۔
دارجدید کے وسیع صحن میں جلسہ گاہ اور اسٹیج کا میدان تیار ہو گیا، دارالعلوم کی طویل و عریض
دیواروں نے سفیدی کا سفید لباس زیب تن کر لیا اور اس کے متعدد وسیع کمروں اور ہالوں میں

بجلی کا فٹنگ مکمل ہوگیا، کتنے ہی احاطے مکمل ہو گئے، وغیرہ وغیرہ جن کی بہت عرصہ سے ضرورت محسوس کیجارہی تھی، بلاشبہ یہ سب کچھ صدر محترم کی آمد کے سلسلہ میں ہوا، لیکن ان مصارف کا مستقل فائدہ خود دارالعلوم ہی نے اٹھایا، اور گویا اُسنے جو مصارف کئے وہ اپنے لئے کئے۔

البتہ ان مفادات کی قدرتی شکل صدر ملک کی تشریف آوری سے پیدا ہوگئی جس کو ہم ایک پائدار مسرت کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ صدر ہندوستان کی تشریف آوری دارالعلوم ایک غیر معمولی تقریب تھی اور ملک سے اس کی تفصیلات معلوم کرنے کا شوق ظاہر کیا جارہا ہے اس لئے دفتر اہتمام کی طرف سے اس سلسلہ میں جو رپورٹ مرتب کر کے سامنے لائی گئی ہے اُسے آئندہ اوراق میں شائع کیا جارہا ہے جس سے دارالعلوم کے اکرام ضیف کی نوعیت اور ضیف محترم کے اکرام۔ دارالعلوم کی صورت کا پورا نقشہ سامنے آجائے گا۔

محمد طیب

مدیر دارالعلوم دیوبند

۱۷ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ ہجری
۱۴ اگست ۱۹۵۷ء

دارالعلوم میں صدر جمہوریہ کی تشریف آوری

دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر عظمت و شہرت اور قومی حکومت کی تشکیل میں اسکی مساعی کے پیش نظر قومی حکومت کے ارباب اقتدار کا اُس کی طرف رجحان قدرتی تھا جس کا ظہور وقتاً فوقتاً ہوتا رہا، ان رجحانات کے ماتحت مملکت ہند کی سب سے بڑی شخصیت صدر جمہوریہ ہند عالیجناب ڈاکٹر راجندر پرشاد بالقابہ کے دل میں دارالعلوم دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور دارالعلوم کے ارباب بست و کشاد کے دلوں میں انہیں دعوت دینے کا داعیہ اُبھرنا لازمی تھا، چنانچہ ۱۹۵۴ء کے اواخر میں حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے صدر محترم سے دارالعلوم میں تشریف لانے کی درخواست کی جس کو صدر ممدوح نے نہایت خوشی سے منظور فرما کر اکتوبر ۱۹۵۵ء میں تشریف لانے کا وعدہ فرمایا، مگر عین وقت پر غیر معمولی بارش کی وجہ سے راستہ مسدود ہو گیا اور آپ کو اپنا پروگرام ملتوی کر دینا پڑا، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے دسمبر ۱۹۵۵ء میں پھر صدر محترم کی خدمت میں بطور یاد دہانی عریضہ ارسال کیا۔ اس پر اپریل ۱۹۵۶ء کا پروگرام بننے والا تھا کہ دارالعلوم میں رمضان المبارک کی تعطیل کلاں شروع ہو گئی جس کی وجہ سے یہ تاریخ بھی ملتوی کرنی پڑی۔

۱۱؍جون ۱۹۵۷ء کو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نے صدر جمہوریہ سے ملاقات کر کے ان کو مذکورہ وعدہ کی یاد دہانی کی تو صدر جمہوریہ نے ۱۳؍جولائی ۱۹۵۷ء کو دیوبند تشریف لانا منظور فرما لیا۔

جون ۱۹۵۷ء کے آخری ہفتے کے اخبارات میں جب صدر مملکت کے دارالعلوم میں تشریف لانے کی خبر شائع ہوئی تو نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کے وسیع علمی حلقے میں مسرت و انبساط کی ایک خاص لہر دوڑ گئی، بلکہ ہندیونین کے ہر مسلمان نے اس خبر سے مسرت محسوس کی، دارالعلوم میں اسی وقت سے صدر کے شایان شان استقبال کے لئے تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

اتفاق سے اس وقت حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کراچی تشریف رکھتے تھے فوراً حضرت ممدوح کو تار کے ذریعہ سے اطلاع دی گئی کہ صدر جمہوریہ کی تشریف آوری کے موقع پر آپ کی موجودگی نہایت ضروری ہے، اس پر حضرت ممدوح وہاں کے جلسوں کے تمام پروگراموں کو ملتوی فرما کر ۸ جولائی کی شب میں دیوبند تشریف لے آئے، اور اس تقریب کا تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

۱۳ جولائی ۱۹۵۷ء کی تاریخ ایک تاریخی دن تھا جب دارالعلوم میں عالیجناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب بالقابہ نے صدر جمہوریہ ہند کی حیثیت سے قدم رنجہ فرمایا۔

صدر جمہوریہ ۱۲، ۱۳ جولائی کی درمیانی شب میں بذریعہ ٹرین ایک بجے دیوبند اسٹیشن پہنچے جس کو ریلوے نے آراستہ کر رکھا تھا تشریف فرما ہوئے اور اسٹیشن ہی پر صبح تک اپنے سیلون میں قیام فرمایا۔

صدر جمہوریہ کا استقبال

۱۳ جولائی کی صبح کو حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہٗ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، مولانا سید محمد میاں صاحب، مولانا محمد نبیہ صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم اور موتمر عالم اسلامی کے نمایندے الشیخ عبدالمنعم النمر و الشیخ عبدالعال العقباوی (جو دارالعلوم میں بحیثیت استاد مقیم ہیں۔) اسٹیشن پر صدر محترم کے استقبال کیلئے تشریف لے گئے۔

پروگرام کے مطابق صبح کے ۸ بجے جب صدر جمہوریہ اپنے سیلون سے برآمد ہوئے تو حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ نے آگے بڑھ کر ممدوح کا خیر مقدم کیا حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ان حضرات کا تعارف کرایا، اور حضرت مہتمم صاحب نے صدر جمہوریہ کو ہار پہنایا۔ بعد ازاں صدر محترم کو ایک مخصوص شامیانہ میں لایا گیا جو ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر نصب کیا گیا تھا، اس موقعہ پر دارالعلوم کے مخصوص اساتذہ، جمعیۃ علماء ہند کے مذکورہ اراکین حکام ضلع، افسران پولیس اور دیگر سرکردہ شہری حضرات صدر کے خیر مقدم کے لئے موجود تھے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ان سب حضرات کا صدر جمہوریہ سے تعارف کرایا۔

ریلوے اسٹیشن کی اس تعارفی تقریب کے بعد ۸ بجکر ۱۰ منٹ پر صدر جمہوریہ اپنی کار میں دارالعلوم

کے لئے روانہ ہوئے، سب سے آگے صدر کی کار تھی، اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب، صدر کے اسٹاف اور دوسرے حضرات کی کاریں تھیں، اسٹیشن سے لے کر دارالعلوم تک .... سڑک کے ہر موڑ اور اہم موقع پر خوشنما گیٹ میونسپلٹی کی طرف سے اور دارالعلوم کے قریب ایک دروازہ منجانب دارالعلوم بنائے گئے تھے، پورا راستہ دورویہ رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے آراستہ تھا۔ اسٹیشن کے قریب سب سے پہلے دروازہ پر لکھا ہوا تھا

دیدہ ودل فرش راہ

دیوبند اور قرب وجوار کے ہزاروں اشخاص سڑک پر دورویہ صدر کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے، مکانوں اور دوکانوں کی چھتیں صدر کا جلوس دیکھنے والوں سے بھری ہوئی تھیں، دیوبند کی تاریخ میں اس سے قبل اس نوعیت کا استقبال دیکھنے میں نہیں آیا، صدر جمہوریہ کی کار اسٹیشن سے پولیس چوکی ریل تک، وہاں سے دیوی کنڈ کی سڑک پر ہوتی ہوئی سڑک سہارنپور کے ذریعہ چوکی چنگی تلہیڑی تک اور وہاں سے بڑضیاء الحق ہوتی ہوئی دارالعلوم کے مشرقی دروازہ سے داخل ہوکر احاطہ دارالعلوم میں پہنچی اور احاطہ مولسری میں "نودرہ" کے سامنے .... ۸ بجکر ۲۰ منٹ پر رکی اور اس کے ساتھ ہی حضرت مہتمم صاحب کی کار بھی برابر آکر لگی۔

صدر محترم کی تشریف آوری سے قبل تک دیوبند کا موسم نہایت گرم اور خشک تھا، مگر ایک دو دن پہلے بارش ہوجانے کی وجہ سے موسم نہایت خوش گوار ہوگیا تھا، ۱۲ رجولائی کی صبح کو مطلع ابر آلود تھا، اور خنک ہواؤں کے فرحت بخش جھونکے گرمی کی شدت سے اکتائی ہوئی افسردہ طبیعتوں میں ایک خاص کیف وانبساط پیدا کر رہے تھے، اگرچہ فضا میں ہر طرف پھیلے ہوئے بادلوں نے بارش کے امکانات کو بہت قریب کر دیا تھا، مگر خدائے بزرگ و برتر کا فضل وکرم شامل حال رہا اور صدر کے جلوس وجلسہ اور عصرانہ کا تمام پروگرام خنک ہوا وفضاء میں بخیر وخوبی انجام پذیر ہوا۔

دارالعلوم سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے تک طلبائے دارالعلوم کی دورویہ قطاریں جناب ملانا

سید فخر الحسن صاحب اور مولانا معراج الحق صاحب کی سرکردگی میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ہند و بیرون ہند کے طلباء کے علیحدہ علیحدہ گروپ بنا دیئے گئے تھے، جن میں ہندوستان کے تقریباً ہر صوبہ کے طلبا شامل تھے، جو متعدد موٹو لئے ہوئے تھے، بیرونی ممالک کے طلبا میں پاکستان، برما، ملایا، تبت، جنوبی افریقہ اور افغانستان وغیرہ کے طلبا اپنے اپنے مخصوص تعارفی نشانوں کے ساتھ صدر مملکت کے استقبال کے لئے صف آراء تھے، جب طلبا کی ان دلکش قطاروں کے درمیان سے صدر محترم کی کارگذاری شروع ہوئی تو دیو بند کی فضا اللہ اکبر، دارالعلوم زندہ باد، صدر جمہوریہ زندہ باد اور جمہوریہ ہندستان زندہ باد کے استقبالیہ نعروں سے گونج اٹھی، دارالعلوم کے مشرقی صدر دروازہ پر مولانا عزیز احمد صاحب قاسمی کی سرکردگی میں دارالعلوم کے اساتذہ نے اور دارالعلوم کی تاریخی عمارت "نودرہ" کے صحن میں حضرت مولانا سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب، حضرت مولانا جلیل صاحب، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب اور دوسرے اساتذہ و مبلغین دارالعلوم نیز مختلف شعبہ جات کے نظماء نے صدر محترم کا استقبال کیا، حضرت مہتمم صاحب نے صدر جمہوریہ سے ان سب حضرات کا تعارف کرایا، حضرت نائب صاحب نے صدر جمہوریہ کو ہار پہنایا۔

لائبریری کا معائنہ یہاں سے پروگرام کے مطابق ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے صدر محترم حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ، حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی معیت میں "نودرہ" سے اس کمرہ میں تشریف لے گئے جو دارالحدیث کی عظیم الشان عمارت کے جنوب میں واقع ہے، یہاں صدر کے ملاحظہ کے لئے کتب خانہ دارالعلوم کے نادر و نایاب مخطوطات کے نسخے شاہی عطیات میں سعودی عرب، ترکی، مصر، افغانستان، ایران اور نظام دکن کی عطا کی ہوئی کتابیں اور اکابر دارالعلوم کی تصانیف کے علاوہ دارالعلوم کے ۹۴ سالہ آمد و صرف کا مرقع، شعبہ جات کی کارگزاری کے نقشے شعبہ صنعت و حرفت کی طرف سے طلبائے دارالعلوم کی دستکاریوں کے نمونے

اور شعبۂ خوشخطی کے طلبہ کے قلم کے لکھے ہوئے کتبے اور ہیئت کے آلات رکھے گئے تھے۔ صدر محترم نے قدر شناسی کی، شوق و ذوق اور دلچسپی کے ساتھ ان کو ملاحظہ فرمایا۔ مولانا بشیر احمد خان صاحب استاد ہیئت نے آلات ہیئت کا تعارف کرایا۔ مولانا سلطان الحق صاحب ناظم کتب خانہ اور سید محبوب صاحب رضوی محافظ دفتر نے نادر مخطوطات ملاحظہ کرائے قرآن شریف کے قدیم ترین نسخوں کو دیکھ کر صدر جمہوریہ بار بار دلچسپی کا اظہار فرماتے رہے۔ فارسی کے متعدد مخطوطات کو پڑھ کر دیکھا۔ مخطوطات میں بعض نسخے آٹھ آٹھ سو سال پرانے تھے، مخطوطات کی حفاظت کے لئے صدر محترم نے اپنے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا۔

صدر جمہوریہ کی جلسۂ خیر مقدم میں تشریف آوری

شعبہ جات کے

اس اجمالی تعارف کے بعد صدر جمہوریہ ٹھیک ۹ بجے استقبالیہ تقریب میں شرکت کے لئے اس آراستہ و پیراستہ پنڈال میں تشریف لے گئے جو اس موقع کے لئے دارالعلوم کے وسیع احاطۂ دار جدید کے جنوبی حصہ میں تیار کیا گیا تھا، آگے آگے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ تھے اور ان کے پیچھے صدر محترم حضرت مدنی اور دوسرے حضرات ساتھ تھے یہ عظیم الشان پنڈال حسن سادگی کا ایک عجیب منظر پیش کر رہا تھا مختلف گیلریوں میں منقسم تھا، ڈائس کی ایک جانب دارالعلوم کے اساتذہ اور دوسرے مدعو حضرات تشریف فرما تھے، اور دوسری جانب معزز مہمانوں اور پریس نمایندوں کے لئے جگہ رکھی گئی تھی، صدر محترم نے جوں ہی ڈائس پر قدم رکھا پورا مجمع صدر کے احترام میں کھڑا ہو گیا، حضرت مولانا مدنی مدظلہ نے صدر محترم کو سنہرا ہار پہنایا۔

دارالعلوم کی جانب سے اللہ اکبر، دارالعلوم زندہ باد، صدر جمہوریۂ ہند زندہ باد۔ اور جمہوریہ ہندوستان زندہ باد کے نعروں سے صدر محترم کا خیر مقدم کیا گیا، صدر محترم کے بیٹھنے سے قبل ضلع کے حکام کی جانب سے سرکاری رسم کے مطابق قومی ترانہ پیش کیا گیا جسے اسلامیہ ہائی اسکول دیوبند کے دو لڑکوں نے پڑھا۔ اس موقع پر دارالعلوم کے توجہ دلانے سے اس کی مذہبی روایات کا

احترام کرتے ہوئے صدر جمہوریہ کی جانب سے مطبوعہ پروگرام میں قومی ترانہ کے ساتھ بینڈ بجانے کی ممانعت کردی گئی تھی، نیز ترانے کے صرف ابتدائی تین شعر رکھے گئے تھے جو پڑھے گئے۔ ترانہ ختم ہوتے ہی صدر محترم اپنی کرسی پر بیٹھے تو پورا مجمع بیٹھ گیا۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب کی افتتاحی تقریر

سب سے پہلے حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے دارالعلوم کی جانب سے صدر محترم کی قدم رنجہ فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔

دارالعلوم کی تاریخ میں آج ایک نئے باب کا اضافہ ہو رہا ہے۔ ملک کی آزادی کی جدوجہد کی پوری ایک صدی اس بات پر فخر کرسکتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابرین دارالعلوم نے پورے ایک سو سال کے اندر جس جان فروشی اور فداکاری کا ثبوت دیا ہے دنیائے تاریخ اسکو سنہرے حروف سے لکھنے پر مجبور ہے۔

دارالعلوم کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ آزادی کے جس پودے کی اسلاف دارالعلوم نے تخم ریزی کی۔ مہاتما گاندھی نے پروان چڑھایا اور اس کی آبیاری میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور اساطین دیوبند نے آگے بڑھکر حصہ لیا اور آج ہم آزاد ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ آج دس سال ہوتے ہیں کہ ان مساعی کے بعد ہم نے اپنے ملک محبوب وطن کو آزاد کرا لیا ہے۔ (صدر محترم کے متعلق آپ نے فرمایا کہ) آج صدر جمہوریہ ہند کی حیثیت میں جو عظیم شخصیت یہاں موجود ہے وہ ہندوستان کے بہترین رہنما مہاتما گاندھی کے سچے پیرو اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے ایک جانباز سپاہی رہے ہیں آج وہی صدر جمہوریہ کی حیثیت سے یہاں رونق افروز ہیں، ہم آج کے اس تاریخی اجتماع میں آپ کی تشریف آوری پر شکرگذار ہیں اور مسرت و انبساط کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں، اب جلاس کی کارروائی شروع کی جاتی ہے۔

تلاوۃ قرآن کریم سے جلسہ کا افتتاح کیا گیا، قاری محمد عثمان سورتی نے اپنی رقت آمیز آواز سے نہایت خوش الحانی کے ساتھ قراۃ قرآن کی جس کا صدر محترم اور تمام سامعین پر ایک خاص اثر محسوس ہو رہا تھا۔ قاری صاحب کے لئے صدر کے ڈائس کے دائیں جانب یک

مستقل اسٹیج بنایا گیا تھا، اور ان کی کرسی اور میز مخصوص طریقہ پر نمایاں انداز سے لگائی گئی تھی۔

قرأت اور نظمیں

قرأت کے بعد شاعرِ انقلاب انور صابری حنفی نے "استقبال" کے عنوان سے اپنی ولولہ انگیز نظم پیش کی جس میں بعض تاریخی حقائق پر بڑے اچھے انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے صدر جمہوریہ کا خیر مقدم کیا گیا۔ نظم یہ ہے۔

استقبال!

ہند کی جمہوریہ کے صدر ذی عز و وقار
آپ کے دم سے وطن ہے رشکِ جنت پر بہار

آپ ہیں سرمایۂ نازِ وطن جانِ وطن
ذاتِ والا سے دوبالا ہو گئی شانِ وطن

حریت کی منزلوں کے اے امیرِ کارواں
آپ ہیں مستقبلِ روشن کا پُر عظمت نشاں

ہم نے پڑھ رکھی ہے وہ تاریخ پورے غور سے
جو ہے وابستہ "صداقت" آشرم کے دور سے

جس نے کی پیدا غلامی کے اندھیروں سے سحر
سورج آزادی کا وہ اُبھرا تھا گنگا گھاٹ پر

آپ کے سینے میں ہے وہ گرمیٔ سوزِ عمل
جس کا پرتو ہے ہر اک منصوبۂ نو آج کل

اے مجسم زندگی، تصویرِ شایانِ حیات
آپ کی دانش کا لوہا مانتی ہے کائنات

مظہر الحق کے شعورِ زندگانی کی قسم!
آپ کے حسنِ عمل کی نوجوانی کی قسم!

تجربوں کا ہے بڑھاپے میں وہ تنویرِ شباب
جس سے ہر ذرہ وطن کا ہے سراپا آفتاب

خیر مقدم کر رہی ہے آپ کا جو سرزمیں
وہ بھی حریت کے ہے محمودؔ جذبوں کی امیں

ہے یہ اٹھارہ سو ستاون کے ہنگامے کی بات
جب غلامی سے ہوئی افرنگ کی فکرِ نجات

سب سے پہلے حضرت امداد و قاسم کا شعور
بن کے شعلہ عزم کا پہونچا یہیں سے دور دور

شاملی کو جاں نثاروں کی کہانی یاد ہے / گردنِ علماء پہ تیغوں کی روانی یاد ہے

فرقہ بندی سے الگ انسانیت کے نام پر / حریت منشا یہیں بنتی گئی ہر گام پر

عام ہے اب تک زبانوں پر یہ پہلی گفتگو / لارڈ ریڈنگ کو بغاوت کی یہیں آئی تھی بو

مدرسہ اس وقت آزادی کی جولاں گاہ تھا / جاں نثارانِ وطن کی ایک قربان گاہ تھا

سرفروشانِ وطن دن رات پلتے تھے یہیں / جنگِ آزادی میں شرکت کو مچلتے تھے یہیں

زینتِ تاریخِ آزادی رہے گی بے گماں / "مالٹا" کے قیدخانے کی پرانی داستاں

ہے زمانہ یاد سن اکیس سے سن تیس تک / تھی ہر ایک سینے میں یاں خارِ غلامی کی کھٹک

دیش کی تقدیر کا عنوان مفخرِ ناز تھا / یاں ہر اک انسان گاندھی جی کا ہم آواز تھا

برسبیلِ تذکرہ آگے ہے بے احساس فکر / کارواں سالارِ آزادی حسین احمد کا ذکر

جس کو ورثہ میں ملا اسلاف سے ایثارِ عشق / زندگی جس کی مکمل پیکرِ کردارِ عشق

وہ اسی گنجینے کا اک گوہرِ خوش آب ہے / جس کا ثانی عرصہ گاہِ دہر میں نایاب ہے

محترم صدرِ وطن مخدوم و ممدوحِ عوام / تم کو ہیں معلوم دیوبند کے سب صبح و شام

نسبتِ ماضی وہاں سے آ گئی ہے آج آپکو / سب سمجھتے ہیں جہاں اپنے لئے تاج آپکو

جمع ہیں اظہارِ جذباتِ عقیدت کے لئے / فرش آنکھوں کا بچھایا ہے سواگت کیلئے

بوریوں پر بیٹھنے والے وطن کے جاں نثار / سوچتے ہیں اپنے ذہنوں میں مسلسل بار بار

آپ کے شایانِ شاں خدمت کر سکتے نہیں / بند ہیں لب منہ سے کوئی بات کر سکتے نہیں

آخری اس مصرعِ انور پہ ہے ختمِ کلام
قاسم و محمود کی ارواحِ طیب پر سلام

صابری صاحب کے بعد دہلی کے مشہور نوجوان شاعر پنڈت آنند موہن زتشی نے "برہمن زادۂ کشمیر" کے الفاظ سے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنی پرجوش نظم پیش کی جسمیں حضرت مولانا مدنی اور صدر جمہوریہ ہند کو خاص طور پر خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

گلزار صاحب کی نظم کا عنوان تھا:-

"خیر سے جب دیو بند آکر ہوئے راجن مقیم"

آج دیو بند میں چلتی ہے اٹھلا کر نسیم
فرش سے تا عرش ہے نکہت فزا موجِ شمیم

معجزہ ہے یہ رواداری کا از فیضِ حسین
آئے ہیں دار العلوم دین میں صدرِ فہیم

اک طرف پیرِ طریقت، یعنی شیخ دینِ حق
اک طرف اک "کرم یوگی" پیرو کرشن کریم

اک طرف ہندوستاں کی اک فضیلت کا نشان
اک طرف اک ترجمان فضل قرآن کریم

اوم کا ویدِ مقدس کے امین ہے اک طرف
اک طرف ہے نعمتِ پیغامِ آخر کا نعیم

اک طرف شیخ مدینہ، ایک طرف بھارت رشی
اس طرح ملتے ہیں دونوں جیسے تلسی سے رحیم

ہے مرے نزدیک دونوں کی مسلّم شخصیت
میں برہمن زادۂ کشمیر دونوں کا ندیم

اتحادِ باہمی کا بن گیا سنگم نیا
خیر سے جب دیو بند آکر ہوئے راجن مقیم

پھر لگی فرقہ پرستی کی کمر میں اک ضرب
صدر جمہوری ہوئے جب مؤیّد ضربِ کلیم

یہ علیحدہ بات ہے مجھ سا بھی اک فنکارِ قوم
اس وطن میں ہے فقیرِ بے کلاہ و بے گلیم

منحصر ہے حسن اردو پر میرا حسنِ کلام
اپنے بیگانے جسے کہتے ہیں سب سوزِ کلیم

ہند ہے گلزار باغِ کرشن و گلزارِ خلیلؑ
اپنے اپنے دین کے پیرو ہیں سب بیخوف و بیم

٭٭٭٭٭

صابری صاحب اور گلزار صاحب کی نظموں کو عام طور پر بے حد پسند کیا گیا۔ اور خود صدر محترم نے بھی بار بار چشم وابرو کے اشاروں سے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔

سپاس نامہ

نظموں کے بعد حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے سپاس نامہ پڑھ کر سنایا، جو سفید ریشمی ساٹن پر چھپا ہوا تھا اور ایک خوشنما سنہرے فریم میں لگا ہوا ایک منقش صندوقچی میں رکھ کر (جو ایک خوبصورت چوبی ٹرے میں رکھی ہوئی تھی) پیش کیا گیا۔ سپاس نامہ کا پورا متن یہ ہے:۔

نامۂ سپاسِ اخلاص اساس منجانب دارالعلوم دیوبند

بہ عالی خدمت گرامی مرتبت والاشان عالیجناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند بالقابہ العالیہ

جناب والا! دارالعلوم میں قدم رنجہ فرمائی کا یہ نیک دن جماعت دارالعلوم کی زریں تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے، مسرت وانبساط کے ان لمحات میں پوری "جماعت دارالعلوم دیوبند" کی جانب سے میں ایک خوشگوار ترین فرض ادا کرتے ہوئے جناب والا کو خوش آمدید کہہ رہا ہوں اور دنیائے اسلام کے اس مسلمہ علمی و مذہبی مرکز میں جناب والا کی پرخلوص تشریف ارزانی کا پرتپاک خیر مقدم کر رہا ہوں۔

اے آمدنت باعثِ خوش وقتیٔ ما

جناب والا! ہم حیران ہیں کہ صدر وطن کی شاندار اور باوقار منصبی خصوصیات کے خیر مقدم کے لئے کن وسیع اور دقیع الفاظ میں سپاس گذار ہوں؟ لیکن یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہمارے معتقد اور محترم مہمان صرف حکومت ہند کی منصبی عظمتوں ہی کے حامل نہیں بلکہ قوم و ملک کے ایک درد مند

لیڈر اور با اخلاص ممتاز قومی کارکن بھی ہیں جن کی زندگی ملک و قوم کے لئے ایثار قربانی اور جفاکشی کی زندہ تاریخ اور سبق آموز مثال ہے۔

جناب محترم! آپ کی سادگی، بے تکلفی اور رسمی تکلفات سے بے نیازی کی شاندار ماضی ہمیں حوصلہ دلا رہی ہے کہ ہم رسمی طرز تشکر کو ترک کر کے حقیقی اخلاص و محبت کے ساتھ اپنے جلیل القدر مہمان کا بے تکلف استقبال کریں، اس لئے ہم نہایت خلوص کے ساتھ جناب والا کی خدمت میں اپنی نیک آرزوؤں اور جذبات مسرت و انبساط کا ہدیہ احتساس پیش کر رہے ہیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

قصبہ دیو بند جناب والا! دیو بند کی مختصر سی بستی بہت ہی قدیم ہے، دو ہزار سال سے بھی پہلے تک اس کی آبادی کا پتہ چلتا ہے، یہاں برادران وطن کی ایک قدیم تیرتھ گاہ ”سندری دیوی کا مندر“ بھی ہے جس پر ہر سال چیت کے مہینہ میں ایک شاندار میلہ لگتا ہے، آج اس بستی کی سب سے بڑی خصوصیت جس نے اسے عالمگیر شہرت و عظمت دے رکھی ہے یہ ”دارالعلوم“ ہے جس میں اس وقت آپ جیسی ہندوستان کی ایک عظیم و جلیل ہستی تشریف فرما ہے۔

دارالعلوم دیو بند اور جذبۂ آزادی جناب والا! جس ادارہ میں اس وقت جناب محترم رونق افروز ہیں اس کا قیام آج سے نوّے برس قبل ۱۸۶۶ء ۱۲۸۳ھ میں ایک چھوٹی سی درسگاہ کی صورت میں عمل میں آیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں فرنگی اقتدار کو زیر و زبر کرنے کی خونیں جدّ و جہد میں بزرگان دارالعلوم کی پیشروی آزادیٔ ملت اور استخلاص وطن کی تاریخ کا ایک زرّیں باب ہے شاملی ضلع مظفر نگر میں انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ اکابر دارالعلوم ہی کے زیر سرکردگی لڑی گئی۔ اگرچہ یہ خواب اس وقت شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ لیکن حریت و استقلال وطن کے اس جذبۂ بے پناہ کو دلوں میں زندہ و تابندہ رکھنے کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنے بزرگوں اور اپنے ساتھیوں کے تعاون سے یہ عظیم مرکز ۱۸۶۶ء میں قایم کیا جس نے

اپنی ۱۰۹ سالہ سال کی شاندار علمی واخلاقی ماضی میں حریت ملی اور وطن دوستی کے مقدس جذبہ کو تاریخ کے ہر موڑ پہ جان کی بازی لگا کر باقی رکھا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی تو اس مرکز کے بزرگوں نے اس کی حمایت و تائید میں فتوی صادر کیا پھر ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جب آزادی کی مشترک جدوجہد شروع ہوئی تو دارالعلوم کی جماعت بھی اسی اشتراک اور تعاون کے راستہ، آزادی اور استخلاص وطن کی جدوجہد میں مصروف ہوگئی، اور دارالعلوم کے سربرآوردہ بزرگ جواب تک جہاد آزادی کے دوسرے راستوں پر چل کر قید و بند اور جلا وطنی کی مصیبتیں اٹھا رہے تھے اب ایک طرف انھوں نے علماء ہند کے اشتراک و تعاون سے جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد رکھی اور دوسری جانب، کانگریس کے قومی پلیٹ فارم پر پہونچکر جنگ آزادی میں بھر پور حصہ لیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی وہ تعبیر ہے جس کا خواب بانیانِ دارالعلوم بہت پہلے دیکھ چکے تھے اور جس کے لئے قربانیوں کا سلسلہ اس سے بھی پہلے سے جاری تھا۔

جناب والا! جنگ آزادی کی تاریخ سے واقف کوئی شخص اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے کہ اس طویل اور صبر آزما جدوجہد میں فضلائے دارالعلوم کا ایک خاص امتیازی مقام ہے، دار و رسن، پرجاں سپاری، قید و بند کی بے کسی، اور جلا وطنی کی المناک صعوبتوں کو محض استخلاص ملک و ملت کے لئے اس جماعت نے لبیک کہا ہے۔ حافظ محمد ضامن صاحب مرحوم کی شہادت، حضرت حاجی امداد اللہؒ کی ہجرت، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی قید و بند، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے وارنٹ گرفتاری اور برداشت مصائب، مولانا منصور انصاری اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی جلا وطنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی مالٹا میں نظر بندی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سابق صدر المدرسین دارالعلوم کی اسارت مالٹا و کراچی، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مرحوم سابق صدر جمعیۃ علماء ہند اور مولانا احمد سعید کی اسارت ملتان، مولانا حفظ الرحمن

ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کی طویل اسارت اور اس دور کے سیکڑوں سے متجاوز فضلاء دارالعلوم دیوبند کی قید و بند گوناگوں مصائب اور قربانیوں کے عظیم واقعات کو تاریخ نظرانداز نہیں کر سکتی جو دارالعلوم کے بانیوں اور اس کے اساتذہ ہی کی تعلیم و تربیت کے روشن نشانات ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے مقاصد اور اُسکی خصوصیات | جناب والا!

آپ ایک فاضل تاریخ داں اور سیاسی مفکر کی حیثیت سے بخوبی واقف ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی تمام ناکامیوں اور ہولناک مصیبتوں کے بعد بھی محبان وطن اور فدایانِ ملک و ملت کے حوصلے پست نہیں ہوئے، ان ناامیدیوں میں بھی امید کی کرن سامنے تھی اور کثرت زار غور و فکر میں ایک تعمیری شعور جنم لے رہا تھا، دارالعلوم کے بانی ان ہی باہمت بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے چٹان بن کر اس طوفان کا مقابلہ کیا اور جیسے ہی یہ سیلاب پایاب ہوا انہوں نے تمام حالات کا جائزہ لے کر طے کیا کہ ملک و ملت کی ناکامیوں کا رخ بدلنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک روح کی حفاظت، دوسرے تعمیری رجحان اسلئے کہ جو قوم روحانیت پر ایمان رکھتی ہے اور اپنی روح بیدار رکھ سکتی ہے وہ خدا کی مدد سے اپنے حالات میں ایک تعمیری انقلاب لا سکتی ہے۔ یہ دارالعلوم اسی تعمیری انقلاب کا نمونہ ہے، اس عظیم ادارے کی بنیاد جن اصولوں پر قائم ہے وہ مختصر سے مختصر الفاظ میں یہ ہیں:۔

(۱) ایک قوم کے لئے سب سے پہلی چیز خدا پر بھروسہ (توکل علی اللہ) ہے، ہر بڑے نصب العین کے لئے یہ ہی ایک بڑا سرمایہ ہے، دارالعلوم کا پہلا بجٹ نوے سال پہلے چار سو روپے پر مشتمل تھا۔ آج ساڑھے پانچ لاکھ ہے۔ یہ سب اسی توکل علی اللہ کا نتیجہ ہے۔

(۲) تعلیم اور تعمیر جیسے نصب العین کے لئے اجتماعی جدوجہد کو بنیادی اہمیت

حاصل ہے ۔عوام کی مشترک محنت سے جو کام کیا جائے گا اس میں خیر و برکت بھی ہوگی اور قبول عام بھی حاصل ہوگا، یہ دارالعلوم اجتماعی جد و جہد کا پہلا نمونہ ہے ۔

(۳) تعلیم انگریزی ہو یا عربی، دنیاوی ہو یا دینی، مادری زبان میں دی جائے۔ دارالعلوم نے اس اصول کو نوے سال پہلے تجربے کی کسوٹی پر پرکھا اور کامیاب ہوا اور نہ صرف یہ کہ اس تجربے کی بدولت اردو بولنے والے طلبار کی بہت سی مشکلیں آسان ہوئیں بلکہ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اردو برّاعظم ایشیا اور افریقہ وغیرہ کے ان تمام ممالک میں پہنچ گئی جو اس دارالعلوم سے علمی اور روحانی رابطہ رکھتے ہیں۔ تیسرے سال کی بات ہے جب ہمارے ملک کے وزیر اعظم پنڈت نہرو روس کا دورہ کرتے ہوئے تاشقند پہنچے تو وہاں اُن کو سپاس نامہ اردو میں پیش کیا گیا، اور اردو ہی میں پنڈت جی نے اس کا جواب دیا۔ یہ سپاس نامہ پیش کرنے والے اسی دارالعلوم کے فاضل ایک تاجیک عالم تھے۔ غالباً اسی سال چینی حجاج کا وفد ہندوستان آیا اس کا خیر مقدم مسلمانوں سے زیادہ آپ کی وسیع المشرب حکومت نے کیا، ہندوستانیوں کے سامنے ہندوستانی زبان میں ان کا تعارف کرانے والے اسی وفد کے ایک رکن مولانا حامد احمد چینی تھے جو بیس سال پہلے اسی دارالعلوم میں تعلیم پا رہے تھے ۔

(۴) تعلیم کو آزاد ہونا چاہیئے۔ یہ ہے وہ اصول جس کی بنا پر دارالعلوم ایک آزاد تعلیمی ادارے کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، یہ دارالعلوم اس وقت بھی آزاد تھا جب ملک غلام تھا، ملک کی آزادی کے لئے اس دارالعلوم کی تاریخی خدمات اسی عظیم اصول کا نتیجہ ہیں، جس پر دنیا کے تعلیمی ماہرین آج پہنچ رہے ہیں ۔

(۵) استاد کو شاگرد سے بہت قریب اور اس کے دکھ درد کا شریک رہنا چاہیئے، تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوتی رہے اور طلبا کی شخصیت اس سانچے میں ڈھل سکے جو اس تعلیم کا مقصد ہو۔ یہ ہے دارالعلوم کا وہ پرانا اصول جس کی برتری، بہتری اور کامیابی کے اعتراف پر آج کے ماہرین تعلیم جدید مجبور ہو رہے ہیں ۔

(۶) تعلیم بے قیمت اور فری ہونی چاہیئے، غالباً یہ دارالعلوم دنیا کی واحد درس گاہ ہے جو کہ نوے سال سے تمام طلبا کو فری تعلیم دے رہا ہے اور ان کے جملہ اخراجات حتیٰ کہ کورس کی کتابوں کا خرچہ بھی برداشت کر رہا ہے ۔

(۷) سادگی، صفائی، جفاکشی اور محنت پسندی یہ وہ اصول ہیں جو دارالعلوم کے بزرگوں کے خاص شعار ہیں، یہاں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب نہیں بلکہ ایک تہذیبی خوبی ہے، اسی اصول کی برکت سے کم سے کم اخراجات کے نتیجہ میں بہتر سے بہتر علماء قومی اور ملی خدمت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے چکے اور دے رہے ہیں۔

(۸) علم خود ایک مقصد ہے اس کو اگر واسطہ بنایا جا سکتا ہے تو صرف تکمیل روح اور تعمیر انسانیت کا کسی مادی مقصد کے لئے اس کو واسطہ بنانا علم کی توہین ہے یہ دارالعلوم کا وہ مقدس اصول ہے جس کی بنا پر اس نے کبھی پسند نہیں کیا کہ اس کی سند سرکاری ملازمتوں کا ذریعہ بنائی جائے۔

(۹) علم ایک دریا ہے جس کی فطرت تنگی کو برداشت نہیں کر سکتی، دارالعلوم کا یہی مسلک ہے جس کی بنا پر نہ صرف مسلمان بلکہ علم دوست برادران وطن کی ہمدردیاں بھی اس ادارے کے ساتھ وابستہ رہی ہیں، انتہا یہ کہ جبتک فارسی نے اپنی پرانی دلچسپی اور مقبولیت ختم نہیں کی تھی تو مسلمان بچوں کے ساتھ ہندو بچے بھی اسکے درجات فارسی سے فیضیاب ہوتے تھے۔

جناب والا! دارالعلوم کے یہی مقاصد ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام مادی ذرائع اور وسائل کے فقدان کے باوجود ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے قدم بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ صرف ایک استاذ اور ایک شاگرد سے وجود پذیر ہونے والا مکتب آج یہ عظیم الشان جامعہ ہے جس میں ہندو پاکستان کے علاوہ ایران، افغانستان، تبت، چینی ترکستان، روسی ترکستان، سنکیانگ، برما، انڈونیشیا، سیلون اور افریقہ وغیرہ کے طلبا بھی علمی پیاس بجھا رہے ہیں اور دارالعلوم ان طلبا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ایک بین الاقوامی بستی بنا ہوا ہے۔ فللہ الحمد

تعدادِ طلبہ اور مختلف شعبہ جات جناب والا! دارالعلوم اپنے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آج ڈیڑھ ہزار طلبہ، چالیس سے زائد اساتذہ اور ڈیڑھ سو سے زائد اسٹاف پر مشتمل ہے اس کا نظم اٹھارہ انتظامی شعبوں، تعلیم، تبلیغ، افتاء، نشر و اشاعت، صنعت و حرفت، طب، کتابت محافظ خانہ، دارالاقامہ، تنظیم، اوقاف، کتب خانہ، تعمیرات، مطبخ، صفائی، روشنی، محاسبی اور مرکزی ادارہ، ادارۂ اہتمام پر مشتمل ہے، دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ساڑھے پانچ لاکھ ہے جو عام قومی چندوں سے پورا ہوتا ہے طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی اور تمام طلبہ کو بالتخصیص کتابیں، دارالاقامہ میں رہنے کی جگہ اور طبی امداد مفت مہیا کی جاتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور آزاد جمہوریہ ہند جناب والا! انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد سے لے کر آج تک حکومتِ ہند نے ہمیشہ دارالعلوم کے معاملات سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے، اور گورنمنٹ کا اخلاقی تعاون ہمیشہ دارالعلوم کو حاصل رہا ہے ہمیں توقع ہے کہ حکومتِ ہند اور اس قومی ادارے کے درمیان جس نے حکومت کی تاسیس میں اہم پارٹ ادا کیا ہے یہ خوش اعتمادی اور معاونت باہمی ترقی پذیر رہے گی۔

چند مسائل جناب والا! جب دارالعلوم دیوبند جمہوریہ ہند کا ایک جز ہے تو قدرتی طور پر ایسے مسائل سے بھی واسطہ پڑتا رہے گا جو حکومت کے تعاون کے بغیر حل نہیں ہو سکتے، آج بھی اس قسم کے چند امور درپیش ہیں۔ مثلاً پاکستان سے دارالعلوم میں بغرضِ تعلیم آنے والے طلبہ کی آمد و رفت اور قیام میں خاص سہولت کا مسئلہ، وہاں سے طلبیدہ اساتذہ کا بسلسلۂ درس تدریس یہاں قیام، پاکستان و برما وغیرہ ممالک سے حاصل شدہ امدادوں کی ہندوستان میں منتقلی، دارالعلوم کے دائرۂ طب کے فضلاء کا سرکاری طور پر مجاز طبیب قرار دیا جانا، دارالعلوم کے فاضلوں کا علوم مشرقیہ کی ریسرچ اور علمی تجربات کے لئے بیرونِ ہند جانے آنے اور سفر کی سہولتیں بہم پہونچانے کا مرحلہ۔ دارالعلوم میں ہسپتال اور ایک عظیم لائبریری کی تعمیر کا منصوبہ حفظانِ صحت اور صفائی کے سلسلہ میں پانی کے بہاؤ کا مناسب راستہ وغیرہ وغیرہ، یہ وہ مسائل

ہیں کہ جناب والا کی ترقی پذیر حکومت کی تعمیر پسند پالیسی کے تحت با سانی حل ہو سکتے ہیں اور ہم پر اُمید ہیں کہ جس طرح اب تک سہولتیں، ہمدردیاں اور اخلاقی امدادیں حاصل ہوتی رہی ہیں ہم آئندہ بھی ان سہولتوں اور اخلاقی امدادوں کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے رہیں گے۔

جناب والا! ہم تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مزید شکر گذار ہیں، کہ جناب نے وقت کی فیاضی فرما کر ہمیں سپاس گذار ہونے کا موقع دیا۔ اب اس سے زیادہ وقت لینا جرأتِ بیباکانہ ہے، مزید شکریہ ادا کرتے ہوئے اس حقیقت کے اظہار کی اجازت چاہتا ہوں کہ جناب والا کی یہ قدم رنجہ فرمائی دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک نقش ہے جس پر دارالعلوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔

سپاس گذار

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

از جانب ارکان مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

۱۴ رذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

۱۳ رجولائی ۱۹۵۷ء

صدر کو کتابوں کا علمی ہدیہ

سپاس نامہ کے بعد حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے صدر وطن کو اکابر دارالعلوم اور دوسرے اکابر فضلاء دارالعلوم کی تصنیف کردہ ۲۶ کتابوں کا علمی ہدیہ پیش کیا جنمیں اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخصوص امتیازات اور نمایاں شانوں کو پیش کیا گیا ہے۔ کتابوں کے علاوہ بانی دارالعلوم کی وہ اساسی آٹھ وصیتیں بھی صدر کو پیش کی گئیں جو دارالعلوم کے نظام کو چلانے میں بنیادی دستور کی حیثیت رکھتی ہیں، اور اس وقت دارالعلوم اور اسکی بیشمار شاخیں انہی اصول پر چل رہی ہیں۔

صدر محترم کو جو کتابیں پیش کی گئیں ان میں خاص خاص کتابوں کے نام یہ ہیں:-

حجۃ الاسلام ۔ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند

اشاعت اسلام ۔ مصنفہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

اسلام اور فرقہ واریت مصنفہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

سائنس اور اسلام ۔ " " " " " " " " " "

سوانح قاسمی ۔ سوانحمری حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند

نقش حیات ۔ سوانحمری حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

شان رسالت ۔ مصنفہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۔

موتمر عالم اسلامی کی جانب سے دارالعلوم میں مقیم اساتذہ مصر شیخ عبدالمنعم النمر اور شیخ عبدالعال العقباوی نے صدر جمہوریہ ہند کو دس مصری کتابوں کی پیشکش کی۔ ان پیش کشوں کا ڈائس پر اعلان کیا جاتا رہا۔

صدرِ جمہوریہ کی تقریر

آخر میں صدر محترم نے سپاس نامہ کا جواب دیتے ہوئے اور دارالعلوم کی خدمات جلیلہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس توقع کا اظہار کیا کہ جس طرح دارالعلوم اور اس کے بزرگ اساتذہ ایک قوی عزم بلند حوصلگی اور خلوص کے ساتھ علم اور ملک و قوم کی بہترین خدمات انجام دیتے آئے ہیں، اسیطرح وہ آئندہ بھی اپنے کام کو جاری رکھیں گے!

صدر محترم نے بیٹھ کر تقریر فرمائی، وہ بڑی صاف اور شستہ اردو بول رہے تھے، صدر جمہوریہ کی تقریر کا پورا متن یہ ہے :۔

حضرتِ شیخ، مہتمم صاحب دارالعلوم اور حضرات!

جس انداز میں میرا یہاں خیر مقدم کیا گیا ہے اور جو الفاظ میری نسبت کہے گئے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن لفظوں میں اس کا شکریہ ادا کروں۔

مجھے عرصہ سے دارالعلوم میں حاضر ہونے کا اشتیاق تھا، لیکن آج تک اتفاق نہ ہو سکا پچھلے دنوں جب مجھے دارالعلوم کی جانب سے دعوت دیگئی تو میں نے اسے شکریہ کیساتھ قبول کر لیا، اس لئے نہیں کہ دارالعلوم میں میرا آنا موجب مسرت ہوگا، بلکہ اس لئے کہ اس سے اُن واقعات کی یاد تازہ ہو جائے گی جو آزادی کی جدوجہد کے ایک سو سال کے عرصہ میں پیش آتے رہے ہیں۔

یہ ایک تاریخی بات ہے کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کو کبھی خوشی کے ساتھ برداشت نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں بھی ملک میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو بغاوتیں کرتے رہتے تھے، اسی سلسلہ کا بہت بڑا واقعہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تھا، جس میں اس علاقہ کے ساتھ ساتھ ملک کے دوسرے علاقوں نے بھی حصّہ

لیا اور آزادی کے لئے لوگوں نے سخت جدوجہد کی، تمام وہ علمار کرام جنہوں نے اس اس دارالعلوم کو قایم کیا، جنگ آزادی میں شریک تھے، چنانچہ دارالعلوم کے قیام سے پہلے اور اس کے بعد بھی انہوں نے جنگ آزادی کو جاری رکھا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی روحانی تعلیم و تربیت کے ساتھ آزادی کا بھی اہتمام کیا۔

جیسا کہ آپ نے سپاس نامہ میں فرمایا، اس مدرسہ کا آغاز بہت چھوٹے پیمانہ پر ہوا، اس کی سالانہ آمدنی صرف چار سو روپے تھی، لیکن آج یہ نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا کا ایک عظیم الشان ادارہ ہے، اور روز بروز ترقی کر رہا ہے اور اب اس کا سالانہ خرچ بڑھ کر پانچ لاکھ تک پہنچ چکا ہے اور یہاں ڈیڑھ ہزار طلبار تعلیم پاتے ہیں ڈیڑھ دو سو اساتذہ موجود ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو کام یہاں ہو رہا ہے اُسے ملک کے عوام کس طرح قبول کر رہے ہیں اور کس طرح سے اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں اور یہ کہ جو کام یہاں ہو رہا ہے اس کو نہ صرف جاری ہی رہنا نہیں چاہیئے بلکہ اسے اور زیادہ بڑھتے رہنا چاہیئے۔
صدر محترم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ دارالعلوم کے بزرگوں نے سمجھ لیا تھا کہ تعلیم کو آزاد رہنا چاہیئے۔ میرے خیال میں یہ بہت درست نظریہ تھا، آپ نے نہ تو کبھی حکومت سے کوئی امداد مانگی اور نہ آپ کو کوئی امداد ملی۔

صدر جمہوریہ نے کہا کہ میں ان دنوں کو کبھی نہ بھول سکوں گا جب میں حضرت مولانا کے ساتھ کانگریس کی میٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور ہم لوگ حضرت مولانا کے مشورں سے فائدہ اٹھاتے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ آزادی کے لیے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہاں کے سب ہی رہنے والوں کے درمیان اتفاق ہے

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں مختلف مذاہب کے پیرو، مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف رسم و رواج اور طرز زندگی رکھنے والے آباد ہیں، ایک ایسے ملک میں سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ ہم ایک دوسرے سے خلوص، رواداری اور

محبت کا سلوک کریں اور ایک دوسرے کی تکالیف اور مشکلات میں کام آئیں، خود تکلیف اٹھائیں لیکن دوسروں کو تکلیف نہ ہونے دیں۔

ملک کا آئین بنانے والوں نے اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھا تھا، چنانچہ آئین میں مذہبی آزادی کو محفوظ رکھا گیا ہے اور آج اس ملک میں ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ سب ہی مذاہب کے پیرو یہاں آرام سے رہتے ہیں، اور اپنے مذہب کے فرائض کو ادا کر سکتے ہیں۔ ہندوستان جیسے عظیم ملک میں جہاں اتنی بڑی تعداد میں لوگ آباد ہیں کوئی باہمی تنازعہ یا جھگڑے کا ہو جانا تعجب کی بات نہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہم مجموعی طور پر اتفاق سے رہیں مل جل کر کام کریں اور ایک دوسرے کی آزادی کا...... احترام کریں، اور جس طریقہ کو ہم نے جنگ آزادی کے دوران میں اپنائے رکھا تھا آج بھی اس کو اپنائے رکھیں، ہم خود آزاد ہیں اور دوسروں کی آزادی کو بھی اتنا ہی قیمتی سمجھیں جتنا اپنی آزادی کو سمجھتے ہیں، پچھلے ۴۰۔۵۰ برسوں میں ہمارا جو طور طریقہ رہا ہے اور جس طرح سے ہم نے آزادی کی جنگ میں مل جل کر کام کیا ہے اس کا یہ نتیجہ تو ضرور ہونا چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے پر پوری طرح سے اعتبار رکھیں، اور ہر طرح سے اس بات کے لئے تیار رہیں کہ کسی پڑوسی پر ایک آفت آئے تو ہم دو آفتیں برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں، ہمیں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے! ہمارے ملک میں ہمیشہ یہ کمزوری رہی ہے اور باہمی جھگڑوں کے سبب سے باہر کے لوگ آکر ہمارے ملک پر حاوی ہو گئے، جہاں تک مجھے تاریخ کا علم ہے ہندوستان کے لوگ کسی میدان میں دوسرے ملکوں کے رہنے والوں سے پیچھے نہیں رہے ہیں، لڑائی میں اگر ہم ہارے تو آپس کی پھوٹ کے سبب سے۔ اب ہم آزاد ہیں اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں مل جل کر آگے بڑھنا ہے، میں ہمیشہ یہی درخواست کرتا رہا ہوں کہ ہمارا یہ ماحول بنا رہے تاکہ ہمیں طاقت ملے اور ہم اپنی آزادی پر قایم رہیں۔

آخر میں صدر محترم نے دارالعلوم کی علمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے

دارالعلوم نے صرف اس ملک کے رہنے والوں ہی کی خدمت نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی خدمات سے اتنی شہرت حاصل کرلی ہے کہ غیر ممالک کے طالب علم بھی آپ کے یہاں آتے ہیں اور یہاں سے تعلیم پاکر اور جو کچھ یہاں انہوں نے سیکھا ہے اپنے ملکوں میں اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ بات اس ملک کے سبھی باشندوں کے لئے قابل فخر ہے! میں امید کرتا ہوں کہ آپ جس خلوص اور نیک نیتی اور جس عزم وارادہ کے ساتھ اس کام کو آج تک کرتے آئے ہیں آیندہ بھی اسے جاری رکھیں گے اور مجھے امید ہے کہ یہ دارالعلوم دن بدن اور ترقی کرتا جائے گا اور صرف اس ملک ہی کی نہیں بلکہ غیر ملکوں کی بھی خدمت کرتا رہے گا۔

سپاس نامہ میں درج شدہ دارالعلوم کی چند ضرورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے صدر جمہوریہ نے فرمایا کہ ان ضرورتوں میں سے کچھ کا تعلق دوسری حکومتوں سے ہے اور ان چیزوں کو ان حکومتوں سے بات چیت کرنے کے بعد ہی طے کیا جا سکتا ہے، جہاں تک پاکستان یا دوسرے ملکوں سے آنے والے طلبا کو سفر کی سہولتیں مہیا کرنے اور پاکستان سے چندوں کی رقومات کی ہندوستان میں منتقلی کا تعلق ہے ہمارے یہاں اس قدر دقت نہیں ہے بلکہ ان مشکلات کا سبب دوسرے ملکوں کے قوانین ہیں، پھر بھی حکومت دوسری حکومتوں سے بات چیت کرکے اسکو طے کرسکتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس سلسلہ میں حکومت ہند کو لکھیں اگر میری کسی خدمت کی ضرورت ہوگی تو اس کے لئے میں حاضر ہوں، جہاں تک ہسپتال اور لائبریری کے قیام اور پانی کے نکاس کے مسائل کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے مالی امداد کی ضرورت ہوگی، آپ کی طرف سے میں اس چیز کو حکومت کے سامنے رکھوں گا اور جو کچھ ہو سکے گا آپکی خدمت میں پیش کیا جائیگا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے۔ چند وجوہ کی بنا پر میرے لئے یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ میں ان سب باتوں کو طے کرکے یہاں آتا۔ تاہم مجھے امید ہے کہ اس بارے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے صدر محترم نے فرمایا کہ جس خلوص اور محبت کے ساتھ آپ نے یہاں میرا خیر مقدم کیا ہے میں اس کو بھول نہیں سکوں گا۔ اس پر تہ دل سے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا مدنی کی تقریر

صدر جمہوریہ کی تقریر کے بعد حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد صدر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:۔

میرے محترم بزرگو اور بھائیو!

جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب ملک کے سب سے بڑے عہدہ کے حامل ہیں ان کی تشریف آوری ہمارے لئے باعث عزت ہے۔

ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے، جو قدرت کی فیاضیوں سے بے شمار خزانوں اور خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اور قدرت نے ربع مسکوں کی ساری ہی خوبیاں اس ملک میں جمع کر دی ہیں، اور اس جامعیت کی وجہ سے یہ ملک گویا پورا جہان ہے، شاید اسی لئے اس ملک کے گذشتہ سلاطین نے اپنے لئے عالمگیر، جہاں گیر، شاہ جہاں وغیرہ کے القاب تجویز کئے۔ اس جہاں نما ملک کا انتہائی عہدہ آج ہمارے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں ہے، اس لئے وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں۔

صدر محترم سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ نے اتنے بڑے عہدہ پر ہوتے ہوئے ہم غریب بوریہ نشینوں کی جانب توجہ فرمائی، ہم اس پر آپ کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے! آپ ملک کے بڑے بڑے اداروں کا معائنہ فرماتے رہتے ہیں اسکے باوجود آپ نے ہمارے اس غریب اور ٹوٹے پھوٹے ادارہ پر توجہ فرمائی۔ اگرچہ ہم غربت و قلت میں ہونے کے سبب سے اس کا استحقاق ضرور رکھتے ہیں، مگر

دنیوی حیثیت سے جو چیز کشش کا باعث ہو سکتی ہے وہ چیز ہمارے یہاں نمایاں اور بنیادی حیثیت سے موجود نہیں ہے۔

آخر میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہمیں امید ہے کہ حکومت ہماری ضرورتوں پر توجہ کرے گی ہم جس طرح سے ابتک خدا کی مخلوق اور ملک اور اس کے باشندوں کی خدمت کرتے رہے ہیں انشاء اللہ آئندہ بھی صداقت کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھیں گے!

آخر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ نے صدر جمہوریہ کی دارالعلوم میں تشریف آوری کی خوشی میں ۱۵ر جولائی سے ۱۷ر جولائی تک تین دن کی عام تعطیل کا اعلان کرتے ہوئے جلسہ کے ختم ہونے کا اعلان فرمایا۔

جلسہ کی کارروائی تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی، جلسہ کے اختتام پر صدر جمہوریہ ریلوے اسٹیشن پر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ صدر کے ہمراہ تھے۔

دوپہر کا کھانا۔

دارالعلوم کی جانب سے دوپہر کا کھانا صدر محترم کو ان کے سیلون ہی میں کھلایا گیا۔ حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ، حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ اور دوسرے متعدد حضرات کھانے میں شریک تھے سیلون میں صدر محترم کے کمرہ میں حضرت مولانا مدنی اور حضرت مہتمم صاحب صدر کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، بقیہ حضرات جن میں ذمہ داران نظم جلسہ مولانا محمد سالم صاحب قاسمی استاد دارالعلوم، مولانا محمود احمد گل صاحب ناظم تنظیم، مولانا عزیز احمد صاحب مولانا اسعد صاحب مدرس دارالعلوم، سید محبوب رضوی محافظ دفتر دارالعلوم، مولوی فرید احمد صاحب مبلغ دارالعلوم وغیرہ سیلون کے دوسرے کمرے میں ان کے اے ڈی سی کے ساتھ شریک طعام رہے، صدر محترم کی یہ مجلس بڑی بے تکلف رہی، صدر محترم نے دونوں حضرات سے بڑی

بے تکلفانہ گفتگو فرمائی، اور مختلف حالات اور دلچسپ واقعات زیرِ گفتگو آتے رہے۔

عصرانہ

ساڑھے تین بجے شام کو حضرت مہتمم صاحب چائے کی پارٹی میں صدر محترم کو لانے کے لئے اسٹیشن تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ساتھ تھے، صدر اپنے سیلون سے برآمد ہوئے اور مصافحہ کے بعد کار میں بیٹھ گئے اُن کے پاس حضرت مہتمم صاحب کی نشست تھی راستہ میں بھی صدر محترم اور حضرت مہتمم صاحب میں مختلف قسم کی بات چیت ہوتی رہی ٹھیک چار بجے کار احاطہ دارالعلوم میں داخل ہوئی اور صدر دارالحدیث کے ہال میں داخل ہوئے، عصرانہ میں تقریباً ڈھائی سو افراد نے شرکت کی جن میں اساتذہ دارالعلوم اور نامزدہ حضرات اراکین شوریٰ اور دیگر کارکنان دفاتر کے علاوہ حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، جنرل شاہ نواز صاحب ٹھاکر پھول سنگھ صاحب، نواب جمشید علی خان صاحب آف باغپت، مولانا عمر دراز بیگ صاحب مالک روزانہ جدت مرادآباد، ڈی، ایم سہارنپور، ایس ڈی، ایم دیو بند، ڈی، آئی۔جی اترپردیش، ایس، پی سہارنپور۔ قاضی سجاد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی سول سرجن صاحب سہارنپور، سول سرجن صاحب مظفرنگر، حاجی احمد بخش صاحب، ایم ایل، اے، ڈی، ایم دیوبند۔ شیخ عبدالمنعم النمر، شیخ عبدالعال العقبادی نمائندہ موتمر عالم اسلامی۔ نواب مظفر الدین صاحب رئیس لال کورتی میرٹھ۔

جناب اجیت پرشاد صاحب جین، جنرل منیجر ناردن ریلوے، اور شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب جامعہ ملیہ دہلی، حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر خزانہ اترپردیش مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور نے خطوط کے ذریعہ معذرت کرتے ہوئے شریک نہ ہوسکنے پر اظہار افسوس کیا۔

اس موقع پر صدر محترم کا تخاطب زیادہ تر حضرت مہتمم صاحب ہی سے رہا اور بہت بے تکلف گفتگو ہوتی رہی۔ جب چائے سامنے آئی تو حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ اجازت ہو تو میں چائے بناؤں، صدر محترم نے یہ سنکر چائے دانی خود اٹھائی اور پہلے حضرت مہتمم صاحب کی چائے خود بنائی پھر اپنی پیالی بنائی اور پھر دائیں طرف جھک کر حضرت مولانا کی پیالی بنائی۔ اسٹیشن پر چونکہ صدر محترم نے اپنے ملٹری سکریٹری کے ذریعہ حضرت مہتمم صاحب سے کہلایا تھا کہ وہ دارالعلوم کو اپنی ذات خاص سے ایک ہزار کا عطیہ دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے حضرت مہتمم صاحب نے صدر محترم کی اجازت سے عصرانہ کے دوران ہی میں اس عطیہ کا اعلان فرماتے ہوئے صدر محترم کا شکریہ ادا کیا اس دوران میں حضرت مہتمم صاحب کی اجازت سے مولوی عبدالواحد صاحب ناظم محاسبی دارالعلوم نے خیر مقدم کی ایک نظم صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش کی جسے خود انہوں نے پڑھ کر سنایا، نظم یہ ہے۔

ہم نے آج ایک بڑی شان کا انسان دیکھا	مطلعِ ہند کا ایک مہرِ درخشاں دیکھا
مرکزِ علم میں محبوبیت و اخلاص کے ساتھ	صدر جمہوریہ ہند کو مہماں دیکھا
جنگ آزادی کے ساتھی کو بصد شوقِ دلی	شیخ کے ساتھ ملاقات سے فرحاں دیکھا
جس کو صیاد نے پابندِ قفس رکھا تھا	آج اس بلبلِ آزاد کو شاداں دیکھا
خون سے سینچا تھا سوراج کا پودا جس نے	ہم نے اس مالی کو مختارِ گلستاں دیکھا
مہربانی کی سعادت سے پریسیڈنٹ کی	چائے اسے طیب نے شان کو نازاں دیکھا

اس کے بعد حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے حضرت مہتمم صاحب سے استمزاج فرماکر منجانب اکابر دارالعلوم صدر محترم کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا اور ایک مختصر تقریر فرمائی اس کے جواب میں صدر محترم نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ایک نہایت ہی باوقار بے تکلف اور برجستہ تقریر فرمائی جو تقریباً نصف گھنٹہ جاری رہی۔

٭٭٭٭٭

عصرانہ میں صدر کی تقریر

صدر محترم نے فرمایا کہ میں عرصہ سے دارالعلوم کے تذکرے سنتا تھا اور اس وقت سے مجھے یہاں آنے کی تمنا تھی آج وہ تمنا پوری ہوئی۔ دارالعلوم کے بزرگ علم کو علم کے لئے پڑھتے اور پڑھاتے رہے ہیں، ایسے لوگ پہلے بھی ہوئے ہیں مگر کم جنہوں نے علم کو محض علم کی خدمت کے لئے سیکھا اور سکھایا، ان لوگوں کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ آج دارالعلوم کے بزرگ اسی طرز پر چل رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف دارالعلوم یا مسلمانوں ہی کی خدمت نہیں بلکہ پورے ملک اور دنیا کی خدمت ہے۔

آج دنیا میں مادیت کے فروغ سے بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور دلوں کا اطمینان اور چین مفقود ہے۔ اس کا صحیح علاج روحانیت ہے میں دیکھتا ہوں کہ سکون اور اطمینان کا زد سامان یہاں کے بزرگ دنیا کے لئے مہیا فرما رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر خدا کو اس دنیا کو رکھنا منظور ہے تو دنیا کو بالآخر اس لائن پر آنا ہے اس لئے دارالعلوم کے بزرگ جو اہم علمی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ آگے بڑھے گی اور کام اسطرح جاری رہیگا۔ میں دارالعلوم میں آکر بہت زیادہ مسرور ہوا اور یہاں سے کچھ لے کر جا رہا ہوں، میں تمام ذمہ داران دارالعلوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

صدر جمہوریہ کی واپسی

تقریر کے ختم پر صدر محترم اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گئے، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا مدنی مدظلہ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیلون تک پہونچانے کے لئے ساتھ روانہ ہوئے، دس پندرہ منٹ بعد دہرہ دون ایکسپریس آگیا اور صدر کے سیلون کی بوگیاں اس میں جوڑ دی گئیں۔ صدر محترم ان حضرات سے مصافحہ کر کے اپنے سیلون

میں تشریف لیگئے، گاڑی روانہ ہوئی تو صدر کھڑکی میں آئینہ کے اندر سے ہاتھ اٹھا کر برابر سلام کرتے جاتے تھے۔

ریلوے اسٹیشن پر معززین کی ایک بڑی تعداد نے صدر جمہوریہ کو الوداع کیا۔ ان میں طلبۂ دارالعلوم کی تعداد زیادہ تھی۔

صدر جمہوریہ کی تشریف آوری کی تقریبات میں طلبائے دارالعلوم نے جس بہترین نظم و ضبط اور سلیقہ کا مظاہرہ کیا وہ قابلِ صد ستائش ہے، اس کا اعتراف نہ صرف حلقۂ دارالعلوم میں کیا گیا بلکہ آنے والے مہمان، حکام ضلع اور عموماً تمام شرکاء تقریب نے بھرپور الفاظ میں کیا۔ صدر محترم کے ملٹری سکریٹری نے روانگی کے وقت حضرت مہتمم صاحب سے فرمایا کہ میں نے صدر محترم کے ساتھ ہندوستان کی بہت سی تقریبات دیکھی ہیں مگر بے تکلفی کے ساتھ وقار و سنجیدگی اور سکون و اطمینان کی جو شان اس تقریب میں مجھے نظر آئی وہ کہیں نہیں دیکھی۔

خدا کا شکر ہے کہ تمام تقریبات نہایت عمدہ طریقہ پر کامیاب رہیں۔ اس کامیابی میں اساتذہ و منتظمین کی ان تھک کوششوں کے ساتھ ساتھ طلباء کے تعاون کو بھی پورا پورا دخل تھا!۔

جن حضرات نے اس تقریب کے موقع پر مختلف اور ان تھک خدمات انجام دے کر پروگرام کو کامیاب اور شاندار بنایا ان کی خدمات کا اعتراف فرمانے کے لئے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اعلان عام کے ذریعہ دارالحدیث کے ہال میں ایک جلسۂ عام طلب فرمایا جس میں تمام اساتذہ منتظمین اور طلبہ نے شرکت فرمائی، ممدوح نے ایک برجستہ اور جامع تقریر کے ذریعہ تمام کارکنوں کا شکریہ ادا فرمایا، اور اس پر انتہائی طور پر اظہار مسرت کیا کہ صدر جمہوریۂ ہند آپ کی مخلصانہ تقریب اور پرخلوص اجتماعی خیر مقدم سے نہایت خوش اور مسرور واپس ہوئے، اس میں جہاں دارالعلوم کی مشہور زمانہ عظمت و شان کو دخل ہے وہاں آپ کے حسن انتظام اور سلیقہ مندانہ خیر مقدم کو بھی کافی دخل ہے آگے چل کر آپ نے فرمایا کہ صدر جمہوریہ کو میں نے نہ صرف ایک

عظیم عہدہ کا پروقار مسند نشین ہی دیکھا، بلکہ انہیں ایک نہایت ہی صوفی منش اور بزرگانہ انداز کا مشفق اور پابند مذہب و اخلاق انسان بھی پایا۔ یہ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ اسکی سب سے بڑی گدی کے لئے ایسا انسان دستیاب ہوگیا، اور پھر صدر ممدوح سے جو بے تکلفانہ گفتگو کھانے اور چائے کی مجلس میں ہوتی رہی تھی اس کے بعض دلچسپ حصے بھی سنائے جس سے مجمع پر ایک خاص اثر تھا۔ یہ تقریر کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔

آخر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ، نے اپنی ذات خاص سے ۱۴؍ جولائی ۱۹۵۶ء کو ایک شاندار اور پر تکلف عصرانہ دیا، جس میں تقریباً ایک سو حضرات نے جس میں اساتذہ، ملازمین اور کارکن طلبہ شامل تھے، شرکت فرمائی، اور یہ عصرانہ بجائے خود ایک تقریب بن گیا۔
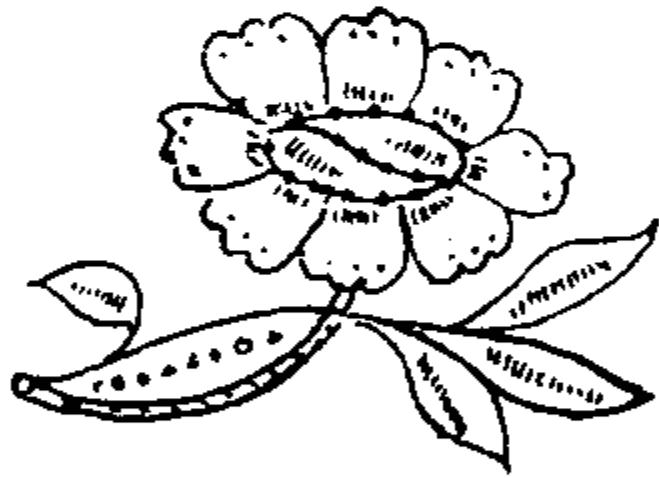
نقشہ خدمات حضرات منتظمین

صدر جمہوریہ کی تشریف آوری کے موقع پر استقبال کے سلسلہ میں یوں تو دارالعلوم کے ہر ہر فرد اور ہر ہر طالب علم نے کچھ نہ کچھ خدمت انجام دی مگر جن اساتذہ اور کارکنوں کے سپرد مخصوص خدمات کی گئیں ذیل میں ان کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے:۔

خدمت	منتظمین
سپاس نامہ، بلّوں اور بیجوں کی طباعت و تقسیم اور جلسۂ خیر مقدم کا نظم و نسق جس میں نشستوں کا تعین وغیرہ شامل ہے اور ڈائس سے اہل جلسہ کو منظم رہنے کی ہدایات دینا۔	صاحبزادہ مولوی محمد سالم صاحب مدرس دارالعلوم و مولانا عبدالاحد صاحب اور دیگر نظماء دارالاقامہ۔
دعوت نامہ کی طباعت اور ڈسپیچ داد کی ترتیب۔	سیّد محبوب رضوی، محافظ دفتر دارالعلوم۔
طلباء کے استقبال کا نظم۔	مولانا فخر الحسن صاحب و مولانا معراج الحق صاحب۔
پنڈال کی تیاری اور اُس کی متعلقہ اشیاء کی فراہمی	بابو محبوب حسن صاحب ناظم تعمیرات مولوی محمود احمد صاحب گل ناظم تنظیم۔
عارضی کتبخانہ کی ترتیب و مخطوطات وغیرہ کا تعارف کرانا۔	مولوی سلطان الحق صاحب ناظم کتبخانہ، سیّد محبوب صاحب رضوی مولانا بشیر احمد صاحب مدرس دارالعلوم
احاطہ جات دارالعلوم کی صفائی، سفیدی اور پنڈال کے لئے میدان کی ہمواری	مولانا معراج الحق صاحب، مولانا محمد سالم صاحب، بابو محبوب حسن صاحب ناظم تعمیرات اور منتظم صفائی۔
استقبالیہ دروازوں کی تیاری۔	مولانا محمد عثمان صاحب مدرس دارالعلوم و چیئرمین میونسپل بورڈ دیوبند
عصرانہ کا انتظام۔	مولانا معراج الحق، مولانا محمد سالم، مولانا محمد نعیم، مولانا فخر الحسن صاحبان
دارالحدیث ہال کی صفائی اور اسمیں بجلی کا فٹنگ	مولوی محمد عمر صاحب ناظم شعبۂ برقی و آب رسانی

اخبارات کے تبصرے

صدر جمہوریہ ہند کی دارالعلوم میں تشریف آوری پر انگریزی کے روزنامہ "ہندوستان ٹائمز" دہلی، روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی، سہ روزہ "مدینہ" بجنور، ہفتہ وار "بیباک" سہارنپور اور "ریاست" دہلی "پیام مشرق" دہلی اور ماہنامہ برہان نے اداریے، مقالے لکھکر دارالعلوم کیساتھ اپنے جس بہترین تعاون کا ثبوت دیا ہے اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان اخبارات کے تبصروں کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند

ہندوستان ٹائمز کی نظر میں

ہندوستان میں بہت کم لوگ کچھ ایسے اداروں کے متعلق زیادہ معلومات کا دعویٰ کر سکتے کہ جن کی پبلسٹی بہت ہی کم ہوئی ہے لیکن جو عرصہ سے اپنے خاموش اور اصولی کام سے افراد اور داقعات پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں، ایک ایسا ادارہ دیوبند میں اسلامی درسگاہ "دارالعلوم" ہے جہاں صدر جمہوریہ ہند ہفتہ کے آخر میں گئے تھے، ایک مذہبی اکیڈمی کے اعتبار سے دارالعلوم کا تمام دنیائے اسلام میں الازہر یونیورسٹی قاہرہ کے بعد دوسرا درجہ ہے، اس لئے یہ بات باعثِ تعجب نہیں کہ الازہر کے دو اساتذہ کا ایک ڈیلی گیشن گذشتہ دو سال سے دارالعلوم میں کام کر رہا ہے، جن لوگوں نے ۱۸۶۷ء میں دیوبند کی درسگاہ کی بنیاد رکھی ان میں دو علماء تھے کہ جنھوں نے دس سال پہلے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا، غالباً مدرسہ کی بنیاد رکھنا غیر ملکی حکومت کے قیام کا ایک ردعمل تھا، کیونکہ اس کے بعد سے دیوبند کے رہنماؤں نے خود کو ان تمام تحریکوں کے ساتھ سرگرمی کے ساتھ وابستہ رکھا کہ جن کا مقصد ملک کے لئے آزادی حاصل کرنا تھا، جمعیۃ علماء ہند کے بیشتر رہنما، قوم پرست علماء کی ایک طاقتور جماعت ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل رہے ہیں، نہ تو مسلم لیگ کی پرو برٹش (برطانیہ نواز) پالیسیاں اور نہ ہی دو قوموں کی تھیوری کسی وقت بھی باحوصلہ علماء کو قومی کیریکٹر کی سرگرمیوں میں حصہ

لینے سے باز رکھ سکیں، وہ خلافت کے دور میں برطانیہ کے خلاف تھے اور ۱۹۴۲ء میں انہوں نے جنگِ عظیم دوم کے زمانہ میں کانگریس کے رجحان کی تصدیق کی لیکن درسگاہ نے صرف ملک کی سیاسی زندگی ہی میں اہم حصہ ادا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے مذہبی کام جن میں دیوبند کی کتابوں کی تیاری بھی شامل ہے دنیائے اسلام میں سراہے گئے ہیں تعلیم کے میدان میں اسنے اسلامی مطالعہ کی روایات کو قائم رکھا۔ عربی اور فارسی میں دلچسپی کو برقرار رکھا اور اردو کے کاز کو ترقی دی، دیوبند کی درسگاہ پر صرف جو نکتہ چینی کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ سماجی طور پر اور اکیڈیمک میدان میں یہ زیادہ ترقی پسند نہیں رہی ہے، کلاسیکل قسم کے جمود اور قدامت پرستی پر اس کا اصرار قابلِ تعریف ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اثر استعمال کرنے کی خواہش رکھتی ہے جو اس کو رکھنی چاہیئے تو اس کو اپنے طریق کار میں موجودہ حالات کے مطابق اعتدال پیدا کرنا ہوگا۔ سیکولرزم نے اب نئے معنی اختیار کرلیے ہیں اور مذہب کی بھی موجودہ حالات کے مطابق نئی تشریح ہونی چاہیئے۔ مختلف مذہبی رہنماؤں کی طرف سے اپنے پیروؤں میں زیادہ مفاہمت اور یکسانیت پیدا کرنے کی تحریک خاص توجہ کی مستحق ہے۔ تاہم کوشش استدلالی بنیاد پر نہیں ہونی چاہیئے یہ اس درسگاہ جیسے باوقار اداروں کا کام ہے کہ وہ ایسے نظریات کو فروغ دینے کے سلسلہ میں عملی اقدامات کرنے میں امداد دیں کہ جو تمام مذاہب کے اصولوں اور عبادت کے احترام کے حامل ہوں اور ساتھ ہی خالص اور صحت مند سیکولرزم کے جدید رجحان کو نظر میں رکھتے ہوئے حوصلہ افزائی کریں۔

(ہندوستان ٹائمز ۱۶ر جولائی ۱۹۵۷ء)

"ہندوستان ٹائمز" نے اپنے اداریہ کے آخر میں دارالعلوم کو جو مخلصانہ مشورہ دیا ہے۔ اس پر روزنامہ "الجمعیتہ" دہلی کے تبصرہ کے بعد مزید جواب کی ضرورت باقی نہیں "الجمعیتہ" کا تبصرہ یہ ہے:۔

دارالعلوم دیوبند
اور معاصر ہندوستان ٹائمز

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کو حال ہی میں دیو بند تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ تشریف بری کی غرض صرف یہ تھی کہ ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیو بند کا معائنہ فرمائیں اور اس مرکز علوم سے جو ایک صدی تک تحریک آزادی کا سرچشمہ رہی ہے رابطہ پیدا کریں۔ آپ نے وہاں پہونچ کر دارالعلوم کے کتب خانہ پر نظر ڈالی، اس کے نادر و نایاب مخطوطات کو معائنہ کا شرف بخشا، اساتذہ کرام سے تبادلۂ خیال فرمایا اور اپنی تقریر میں دارالعلوم کی طویل خدمات کو سراہا اور اس کی تاریخی اور مذہبی عظمت کا اعتراف کیا اور اس کی طرف سے بہترین جذبات لے کر واپس ہوئے

معاصر ہندوستان ٹائمز نے بھی صدر محترم کے اس مختصر دورے کو خاص اہمیت دی ہے اور پوری سیر چشمی کے ساتھ دارالعلوم کے شاندار ماضی کو خراج تحسین ادا کیا ہے، اس نے بجا طور پر اعتراف کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند ان اداروں میں سے ہے جس نے اپنی خاموش اور مسلسل خدمات سے اشخاص اور واقعات کو ہمیشہ متاثر کیا ہے اور ہندوستان میں صرف یہی ایک اسلامی یونیورسٹی ہے جو عالم اسلام میں ازہر یونیورسٹی قاہرہ کے بعد خاص الخاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے بانیوں میں وہ لوگ شامل ہیں جنھوں نے مدتوں پہلے جنگ آزادی میں حصہ لیا اور آزادی کی ہر تحریک کو اپنایا۔ جمعیۃ علماء ہند جو قوم پرور علماء کا سب سے زیادہ طاقتور ادارہ ہے اس کی کارفرما شخصیتیں اسی دارالعلوم دیو بند کی پیداوار ہیں۔ ان علماء کو نہ تو مسلم لیگ کی پروبرٹش پالیسی متاثر کر سکی اور نہ دو قومی نظریہ ان کے زاویۂ نگاہ کو بدل سکا، تحریک آزادی کے دور میں بھی یہی علماء کانگریس کے فیصلوں کی تصدیق میں پیش پیش رہے۔ معاصر نے ان

سطور میں دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء اور اس کے سربراہوں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کی بنیاد صرف واقعات ہیں اور ہم خوش ہیں کہ واقعات کا اعتراف اس خوشدلی کے ساتھ کیا گیا۔

معاصر نے ان اعترافات کے ساتھ یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ دارالعلوم کو اپنی قدامت پسندی پر قائم رہتے ہوئے اتنی لچک پیدا کرنی چاہیئے کہ وہ جدید مسائل تک رسائی حاصل کر سکے۔ اس نے لکھا ہے کہ دارالعلوم پر اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ اس نے تعلیمی اور علمی میدان میں خاطر خواہ ترقی نہیں کی، لیکن ہمارے نزدیک اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کو مشورہ دینے اور اس کی بعض خامیوں پر انگلی رکھنے کا مجاز ہے۔ اور ہم بھی اسی بھائی چارہ کی اسپرٹ میں عرض کریں گے کہ ترقی اور قدامت پسندی کا مفہوم اضافی RELATIVE بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ معاصر کے نزدیک دارالعلوم کے کردار میں جمود ہو مگر فی الواقع ایسا نہ ہو، دارالعلوم جن مقاصد کے لئے قائم کیا گیا ہے وہ ان کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا ہے۔ اگر ملک کی تقسیم عمل میں نہ آتی اور حالات کی تبدیلی اس کی مالیات پر اثر انداز نہ ہوتی تو اس کے دائرہ کار میں ضرور وسعت پیدا ہوتی اور اس کے قدم ترقی کے میدان میں اور آگے بڑھتے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا جس کا ہمیں اپنے معاصر سے زیادہ احساس ہے۔

معاصر کے مشوروں میں یہ مشورہ بھی شامل ہے کہ آج نیشنلزم کو نئے معنے دیئے جا رہے ہیں اسیطرح مذہب کی تشریح اور تعبیر بھی ایسی ہونی چاہیے جو موجودہ حالات سے مطابقت پیدا کر سکے۔ شاید معاصر کو یہ سنکر خوشی ہو کہ اسلام ...... کے اصول ہر زمانہ سے مطابقت رکھتے ہیں اور ہم کسی ایسی تعبیر پر مجبور نہیں ہیں جو اصولوں کو مسخ یا ان کی نفی کرنے کے مرادف ہو، تجربہ شاہد ہے کہ عالمگیر اصولوں میں مساوات انسانی بھائی چارہ اور احترام آدمیت اور شخصی توانین میں طلاق۔ وراثت اور عورت کے مالکانہ حقوق اسلام ہی کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں، اور دوسروں نے اسلام کے ان ہی .... اصولوں اور قوانین کی پیروی کر کے اپنی تجدد پسندی کا ثبوت بہم پہونچایا ہے جہاں تک مذہب کی نئی تعبیر کا تعلق ہے، دوسروں کو اس کی ضرورت ہمیشہ پیش آتی ہے۔ اسلام تو

بذات خود ایسی تعبیر ہے جو ہر زمانہ کے مزاج پر حاوی ہے اور سوسائٹی کی ہر ضرورت کو پوا کرتی ہے
معاصر کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر مذہب کے لیڈروں کو مفاہمت کے لئے زیادہ سے زیادہ
کوشش کرنی چاہیئے، نیز دارالعلوم دیوبند جیسے ادارہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام مذاہب
کے اصول واعمال کا احترام کرتے ہوئے ایسے خیالات کو نشو و نما دے جو موجودہ رجحانات کے
ساتھ حقیقی اور صحت مند نیشنلزم کو فروغ دے سکیں! بلاشبہ اس مشورہ سے اختلاف کرنا مشکل ہے
لیکن اگر نیشنلزم کے وہ معنے نہیں ہیں جو اپنی تنگ دامانی اور تعصب کے لئے مشہور ہے تو اسکے
علم بردار ہمیشہ علماء دیوبند ہی رہے ہیں۔ تحریک آزادی کے ابتدائی دور میں جب کہ نیشنلزم دودھ
پیتے بچے سے زیادہ نہ تھا۔ جب علماء دیوبند نے اپنی حکومت کا نقشہ بنایا تو اس کی صدارت کے
لئے ان کی نظر انتخاب راجہ مہندر پرتاب پر پڑی ہمیں کہنے دیجئے کہ اس سے بہتر اور صاف اور
ستھرا نیشنلزم آج تک پیدا نہ ہو سکا اور آیندہ بھی اس کی توقع پورے یقین کے ساتھ نہیں
کی جا سکتی۔ ہم نے معاصر کے اشارات کے لئے اشارات ہی کی زبان اختیار کی ہے اور ہمیں
امید ہے کہ اس زبان کو سمجھنے میں اسے دشواری پیش نہیں آئے گی۔

(الجمعیۃ ۱۹ر جولائی ۱۹۵۷ء)

صدر جمہوریہ ہند

دارالعلوم دیوبند میں

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب کو دارالعلوم دیوبند میں جو "سپاس نامہ" خلوص
پیش کیا گیا ہے اس میں سب سے پہلے کہا گیا ہے کہ

"جناب والا، دارالعلوم میں قدم رنجہ فرمائی کا یہ نیک دن جماعت دارالعلوم کی زریں تاریخ میں
ایک نئے باب کا اضافہ ہے"

ہم نہیں کہہ سکتے کہ مندرجہ بالا فقروں میں جس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے اسے ہمارے دارالعلوم کے نوجوان طلبہ نے کس حد تک محسوس کیا ہے۔ البتہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ کی تقریر کے جو کلمات ہم تک پہنچے ہیں ان سے صدر محترم کی تشریف آوری کی اہمیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ درحقیقت "فتح باب" کی خبر حضرت شیخ کے انہی کلمات سے ہم کو ملتی ہے۔

"محترم بزرگو اور دوستو! ہمارے لئے بڑے فخر اور خوشی کی بات ہے کہ آج دارالعلوم دیوبند میں ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کے صدر راشٹرپتی ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب یہاں تشریف فرما ہیں، ہندوستان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخصوص عنایتوں سے نوازا ہے، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ ہندوستان ربع مسکون ہے، اسی وجہ سے اس ملک کے بادشاہ اپنے آپ کو عالمگیر جہانگیر شاہ عالم وغیرہ کہلاتے تھے، اسی ملک کے آپ صدر ہیں، ہم بہت غریب ہیں اور بہت قلت میں ہیں ہم آپ کا شایانِ شان استقبال نہیں کر سکے ہم آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ہم غریبوں پر نظر کرم فرماتے رہیں گے۔"

قیام دارالعلوم کے بعد سے ہی علمار دیوبند کا سیاسی مسلک ملکی حالات کے مخصوص تقاضوں کی بنا پر دار و رسن پر جان سپاری، قید و بند کی بے کسی اور جلا وطنی کی المناک صعوبتوں کو محض استخلاص ملک و ملت کے لئے لبیک کہتا رہا ہے، سیاسی نامہ میں علمار دیوبند کے مسلک اور خدمات کی اہل دانش کے لئے وضاحت کر دی گئی ہے۔ سارے ملک کے لئے صعوبتوں کا یہ دور ۱۹۴۷ء میں ختم ہو گیا تھا لیکن علمار دیوبند کے لئے اس کا سلسلہ ابھی کچھ دن اور چلنا تھا، ہم اس خوشگوار موقعہ پر اس واقعۂ ہائلہ کی یاد تازہ نہیں کرنا چاہتے جو حکومت انڈونیشی کی تاریخ رواداری کی ناقابلِ فراموش یادگار رہے گا۔ بہرحال توکل علی اللہ کے نصب العین پر قائم رہنے والی جماعت نے خندہ پیشانی کے ساتھ سب کچھ برداشت کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حالات میں سکون پیدا فرمایا، اور ہندوستان کی عظیم سیکولر جمہوریت کے تابندہ نشان کو سرزمین دارالعلوم پر بھیجا۔

صدر جمہوریہ کے دیوبند تشریف لیجانے سے نہ صرف یہ کہ طلبا و اساتذہ دارالعلوم بلکہ مسلمانانِ ہند

کے دلوں میں بھی نئی ہندوستانی جمہوریہ کے لئے ایک فعال جذبۂ انسیت پیدا ہوا ہے۔ متعدد وجوہ سے ہندوستانی مسلمانوں کے دل ملکی و سماجی سرگرمیوں کی جانب سے اپنے اندر ایک سرد لہر محسوس کر رہے ہیں، مرکزی حکومتِ ہند یونین کے مسلمانوں کے مقام سے بخوبی واقف ہے۔ اور وہ چاہتی ہے کہ یہاں کے مسلمان ایک عضوِ معطل بن کر رہ جائیں، بلکہ آزاد ہندوستان کے صحیح نمائندہ بنیں اور اسلامی دنیا میں اپنے وطن کا وقار بلند کریں، آج تمام اسلامی ممالک ہندوستان میں جمہوریت کے عظیم تجربہ کو نہایت توجہ کے ساتھ دیکھ رہے ہیں، ہندوستانی مسلمان اس تجربہ کو کامیاب بنانے میں ایک اہم رول ادا کر سکتے ہیں، اسی لئے ان کے دلوں میں ایک نئے جذبہ اور ایک نئی امید کے پیدا ہونے کی ضرورت ہے۔ دارالعلوم دیوبند مسلمانانِ ہند کا روحانی مرکزِ اعظم ہے اور روح کے تندرست و توانا ہونے پر ہی اعمال کی توانائی کا انحصار ہے، آج بھی مسلمانانِ ہند کی قیادت علمائے دیوبند ہی کے ہاتھوں میں ہے، اس لئے دارالعلوم دیوبند جتنا ترقی پذیر، فعال اور صحت مند رجحانات کا مالک ہوگا ہندوستانی مسلمان بھی اسی قدر اپنے ملک کی خدمت کا حق ادا کرنے کے اہل ہو سکیں گے۔

ہم تاریخ دارالعلوم میں صدرِ جمہوریہ کی آمد کو بلاشبہ ایک نئے باب کے اضافہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اب یہ توقع کی جا سکتی کہ دارالعلوم دیوبند نئے ہندوستان کی تعمیر میں سرگرمِ عمل ہو جائیگا وہ اپنے مقام کو سمجھے گا۔ نئی ہندوستانی جمہوریہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اپنے اندر صلاحیتیں پیدا کرے گا۔ اور اسلام کے کامل حسن ظاہر و باطن سے آراستہ کرکے نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے سامنے ایک نمونہ کے طور پر پیش کرے گا۔

صدرِ جمہوریہ دارالعلوم میں پہلے معزز مہمان ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ سلسلہ اب جاری رہے دوسری اقوام کے مقتدر افراد کو دارالعلوم میں مدعو کیا جائے، اربابِ حل و عقد کو اپنا کام دکھایا جائے، اور اس طرح اس خلیج کو دارالعلوم کی سرزمین پر پاٹنے کی کوشش کیجائے جو انگریز اور مسلم لیگ کی سیاست نے ہندوستان کے مختلف فرقوں کے مابین پیدا کر دی تھی

ہماری نگاہیں سرزمین دارالعلوم پر ابھی فخر ہندوستان پنڈت جواہر لال نہرو کو دیکھنے کی متمنی ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ طلبار کی یونین بھی اپنی سرگرمیاں دوبارہ شروع کردے۔ اور اس کے توسط سے دوسری اقوام کے مقتدر یوگوں کو دارالعلوم کا کام دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے ۔ اس سے فائدہ یکطرفہ ہی نہ ہوگا ۔ بلکہ خود طلبا راور اساتذہ کے ذہنوں میں ڈیڑھ سو برس کی مذموم غلامی کے جو ناحولی اثرات باقی رہ گئے ہوں گے وہ بھی دور ہوجائیں گے اور ایک نئی آزاد فطرت اور آزاد سیرت کی تعمیر کا کام عمل ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا ۔

ہمیں یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ صدر جمہوریہ کی تشریف آوری کا ہندوستان ٹائمز نے بھی نوٹس لیا ہے اور سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ اس نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ قابل ستائش ہے ۔

ہم معاصر الجمعیۃ کے شکریہ کے ساتھ ہندوستان ٹائمز کے اداریہ کیطرف توجہ دلاتے ہوئے نوجوانان دارالعلوم سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری گذارشات کے ساتھ ساتھ ہندوستان ٹائمز کی گذارشات پر پوری توجہ دیں ۔

(مدینہ بجنور ۲۲ جولائی ۱۹۵۷ء)

صدر جمہوریہ ہند دارالعلوم میں!

"بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد"

۱۳ر جولائی ۱۹۵۷ء کا دن وہ تاریخی دن تھا جب ہندوستان کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں جمہوریۂ ہند کے صدر کی حیثیت سے ڈاکٹر راجندر پرشاد نے قدم رنجہ فرمایا اور دنیا کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوگیا کہ ان دو بلندیوں کے اتصال پر کسے مستحق مبارکباد

قرار دیا جائے، صدر ممدوح کے استقبال واکرام کے سلسلہ میں اکابر دارالعلوم نے جو اہتمام کیا وہ دارالعلوم کی قابلِ فخر اسلامی روایات کے شایانِ شان ہویا نہ ہو لیکن جمہوریۂ ہند کے منصبِ صدارت کے جو تقاضے تھے، ان کی ادائیگی میں یقیناً کسی کوتاہی کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔ اور اس اعتبار سے دارالعلوم کے اربابِ اہتمام زیادہ سے زیادہ ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں، جہاں تک شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی، اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کی ذات کا تعلق ہے ان کے درمیان رفاقت و دوستی کا ایک قدیم رشتہ اتنا مضبوط اور ہمہ گیر ہے کہ جب حضرت شیخ الاسلام بحیثیت صدر جمہوریۂ ہند موصوف کا استقبال فرما رہے تھے تو خلوص و محبت کی پیدا کردہ ایک عجیب و غریب سادگی دوسرے حضرات کے ہزار تکلفات پر انتہائی ذمہ داری، اور سنجیدگی سے مسکرا رہی تھی، اور اس تقریب کے اسی گوشے سے یہ محسوس کیا جا سکتا تھا کہ ایک عظیم ملک و قوم کے سردار اعلیٰ کا اکرام اسی اخلاقی عظمت کا رہینِ منت ہے جو اپنے کمالات کے دور میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ کی چادر مبارک کو سردارانِ عرب کے احترام میں زمین پر بچھوا دیتا تھا، اور یہ معزز ین اقوام کا وہ اعزاز و اکرام تھا جس کی مثال نہ تاریخ عالم میں کبھی پیش کی جا سکی، اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بہرحال، اکابر دارالعلوم کو مبارک ہو کہ وہ صدر جمہوریۂ ہند کی میزبانی میں ضابطہ و قانون کی حدود میں بھی کامیاب رہے اور اس عظیم اسلامی درس گاہ سے منصب رسالت کے جس خلق عظیم کی نمایندگی کی توقع کی جا سکتی تھی، حضرت شیخ الاسلام کی ذاتِ گرامی کی بدولت اس کی بھی کسی نہ کسی حد تک تکمیل ہوگئی۔

دیوبند میں صدر جمہوریۂ ہند کی تشریف آوری کا شاندار اور پرخلوص استقبال، جلوس، استقبالیہ جلسہ، ایٹ ہوم، اکابر جمعیۃ۔ اور اربابِ اہتمام کی تقریریں، سپاسنامہ، اور اس پر صدر محترم کے قیمتی ارشادات، یہ تمام عنوانات الگ الگ ہیں، اور اس امر کے طالب ہیں کہ انکی خصوصیات و تفصیلات پر جدا جدا اظہارِ خیال کیا جائے لیکن "گل ہائے حسن" کی فراوانی اور "دامانِ نگہ کی تنگی" کا تقاضا ہے کہ صرف اشارات و اجمال ہی پر اکتفا کر لیا جائے۔

صدر محترم کی تشریف آوری کے مقاصد کیا تھے؟ انہوں نے دارالعلوم کو اپنے اختیارات خصوصی

کے ذریعہ کن عطیات سے نوازا ؟ یا صدر موصوف کی معرفت دار العلوم نے ملک و قوم کے لئے کیا تحائف پیش کئے ؟ جہاں تک صدر ممدوح کے عطیاتِ خصوصی کا تعلق ہے ان میں اگرچہ ان کا ایک ہزار روپیہ کا ذاتی عطیہ بھی شامل ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیوبند کے لئے ان کی تشریف آوری اور تکلیف فرمائی ہی بہت بڑا عطیہ ہے اور اسی پر دار العلوم کے اربابِ اہتمام کو زیادہ سے زیادہ فخر ہونا چاہیئے، اور مقاصد ؛ مقاصد محض توجہ فرمائی و التفات کے سوا اور کیا بیان کئے جا سکتے ہیں۔ ہاں یہ سوال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ ممدوح کی معرفت دار العلوم نے حکومت اور قوم کے سامنے کون سی خصوصیات پیش کیں اور ان سے ملک کی اجتماعی زندگی میں کیا استفادہ کیا جا سکتا ہے ؟۔

دار العلوم کی جانب سے صدر محترم کی خدمت میں جو سپاس نامہ پیش کیا گیا ہے اس میں دار العلوم کی تاریخی خصوصیات کے ساتھ اس حقیقت کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

"تعلیم بے قیمت اور فری ہونی چاہیئے، غالباً یہ دار العلوم دنیا کی واحد درس گاہ ہے جو نوے سال سے تمام طلباء کو فری تعلیم دے رہا ہے۔ اور ان کے جملہ اخراجات حتیٰ کہ کورس کی کتابوں کا خرچہ بھی خود برداشت کر رہا ہے۔"

اسی سپاس نامہ میں دار العلوم کے بجٹ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، یہ بجٹ اب سے نوے سال قبل صرف چار سو روپیہ سالانہ تک محدود تھا مگر آج وہی دار العلوم ہے جس کا سالانہ بجٹ ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ پر مشتمل ہے، اور یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے ؟ کسی گورنمنٹ کے خزانہ سے ؟ کسی خاص قسم کے ٹیکس سے ؟ کسی ریاست یا جاگیر سے ؟ نہیں اتنے بھاری بجٹ کا پیٹ محض غریبوں کے رضاکارانہ چندوں سے بھرا جاتا ہے، اور اسی "برتے" پر دار العلوم اول سے لے کر آخر تک طالبانِ علم کی تمام ضروریات کی خود کفالت کرتا ہے، ہندوستان کے تاجرانہ نظامِ تعلیم پر دار العلوم کا یہ کتنا گہرا اور کتنا مخلصانہ طنز ہے ؟ ایک طرف ایک اسلامی ادارہ ہے، جو نہ کسی پر ٹیکس لگا سکتا ہے اور نہ اس کے قبضے میں کوئی

سرکاری خزانہ ہے مگر اس میں ڈیڑھ ہزار طلباء کے لئے تعلیم بھی مفت، قیام و طعام بھی مفت کپڑے اور کتابیں بھی فری۔ اور دوسری جانب ہندوستان کی مرکزی، اور صوبجاتی حکومتیں ہیں جن کے ہاتھ میں ملک کے کروڑوں اور اربوں روپیے کے ٹیکسوں کی آمدنی ہے، اور ان کی دوکانوں پر علم کی قسم کی کوئی چیز بھی مفت نہیں مل سکتی۔! کاش دارالعلوم کے کردار کا یہ تیر ہمارے ارباب اقتدار کے دلوں کو بے چین کرنے میں کامیاب ہو جائے اور ہمارے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں علم فروشی کی دوکانیں نہ رہیں۔

(بیباک سہارنپور۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۵۷ء)

مسٹر راجندر پرشاد دارالعلوم دیوبند میں

سیاسی حریت پرست اور علمی حلقوں میں یہ خبر بڑی مسرت کے ساتھ سنی گئی ہے کہ اس ہفتہ ہندوستان کے صدر مسٹر راجندر پرشاد دارالعلوم دیوبند میں گئے اور آپ نے وہاں اپنی تقریر میں کارکنان کو یہ یقین دلایا کہ اس انسٹی ٹیوشن کے طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے لئے سرکاری خرچ پر غیر ممالک میں بھیجا جائے گا، اور لائبریری اور ہسپتال کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مالی امداد دیجائیگی۔

دارالعلوم دیوبند اپنی قسم کی ہندوستان میں واحد انسٹی ٹیوشن ہے جس نے کبھی بھی حکومت سے مالی امداد نہ لی؛ اور یہ انگریزوں کی آنکھوں میں ہمیشہ ہی خار کی طرح کھٹکتی رہی کیونکہ گو اس میں مذہبی تعلیم دی گئی مگر اس نے اور اس کے طلباء نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہمیشہ کانگریس اور ہندوستان کی حریت پرست پارٹیوں کا ساتھ دیا۔ یہ انسٹی ٹیوشن آج تک ہندوستان اور اسلامی ممالک کے ہزارہا طلباء کو تعلیم دے چکی ہے اس وقت اس میں ڈیڑھ ہزار کے قریب طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور جامع ازہر کے بعد غالباً تمام ایشیا میں یہ سب سے بڑی انسٹی ٹیوشن ہے۔ ہندوستان میں جب کہ قومی گورنمنٹ قائم ہو چکی ہے، دارالعلوم دیوبند کو قومی حکومت

۵ یہ خبر صحیح نہیں ہے۔ "دارالعلوم"

کی فیاضی کے ساتھ امداد کا نہ ملنا صرف حکومت کی فرض ناشناسی ہے۔ بلکہ اسے احسان ناشناسی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور ضرورت ہے کہ گورنمنٹ اس انسٹی ٹیوشن کو فراخ دلی کے ساتھ امداد دے تاکہ یہ دارالعلوم اپنے مشن میں زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو۔

(ریاست دہلی)

صدر جمہوریہ دارالعلوم میں

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کا دارالعلوم تشریف لے جانا دارالعلوم کے اس عظیم دینی مرکز کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ دور ایک خوشگوار دور ہوگا دارالعلوم دیوبند نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں اہم پارٹ ادا کیا ہے لیکن بدقسمتی سے آزادی کے بعد ہندوستان میں جو دور شروع ہوا اس میں اسے اسی سرگرمی سے اپنا پارٹ ادا کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور ہم سمجھتے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ تقسیم ہند کا ایک منطقی نتیجہ اور نفسیاتی اثر تھا لیکن اب وہ فضا بدل چکی ہے اور ہمارا یہ خیال ہے کہ حکومت اور اکابرین دارالعلوم دیوبند دونوں کو اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ فرزندان دارالعلوم ہندوستان کے اس تعمیری دور میں کس طرح مفید ہو سکتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ جس طرح وہ جنگ آزادی کے مجاہد سپاہی تھے اسی طرح تعمیری زندگی میں متحرک رضاکار ثابت ہونگے

صدر جمہوریہ ہند نے بجا ارشاد فرمایا دارالعلوم نے ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ دوسرے ممالک کی بھی خدمت کی ہے اور اس لحاظ سے یہ ادارہ ہندوستان کے لئے قابل فخر ادارہ ہے۔ ہندوستان کے آج اسلامی ممالک سے سفارتی اور دوستانہ تعلقات قائم ہیں اور وہ دن بدن مضبوط و مستحکم ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر حکومت ہند فرزندان دارالعلوم دیوبند کی خدمات حاصل کرے تو وہ اس کے لئے ان تمام ممالک میں مفید اور معاون ثابت ہو سکتے ہیں جہاں کی زبان عربی یا فارسی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے اگر اکابرین دارالعلوم اپنے نصاب

اور طریقہ تعلیم میں کچھ تھوڑی سی ترمیم اس طرح پر کر لیں کہ اس کے ذریعہ بہت بڑی تعداد
ہیں نہ سہی مختصر تعداد ہی میں طلبا کا ایک دستہ ہر سال فراغت پا کر ہندوستان کے
سفارتخانوں اور خارجی دفاتر اور ایسے اداروں میں جگہ پا سکے جہاں عربی اور فارسی
کے فارغ التحصیل طلبا کی ضرورت پڑتی ہے تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا، اس کے علاوہ
اندرون ملک میں بھی ایسی ملازمتیں پیدا ہوسکتی ہیں، جن میں دارالعلوم کے سند یافتہ نوجوان
کھپ سکتے ہیں، اس طرح حکومت اور دارالعلوم کے تعاون سے مسلمانوں خصوصاً صرف
عربی اور فارسی پڑھے ہوئے مسلمانوں کی بے روزگاری اور بیکاری کا مسئلہ بھی حل ہوسکیگا
اور پھر یہ معاملہ صرف خارجی سروسز تک یقیناً محدود نہیں رہے گا۔

اسلئے ہمارا خیال ہے کہ دارالعلوم نے نئے ہند میں جس دور کا آغاز کیا ہے اس کو اب آگے
بڑھنا چاہیئے، یہیں ختم نہیں ہونا چاہیئے

اس دورہ کی پبلسٹی

مسلمانوں کے کاموں میں ایک بڑا نقص یہ رہ جایا کرتا ہے کہ وہ پبلسٹی اور پروپیگنڈے کے
اس دور میں اپنے کاموں کی پبلسٹی نہیں کر پاتے، مثال کے طور پر صدر جمہوریہ ہند کے اس دورے
ہی کو لے لیجئے اس سلسلہ میں ایک بڑی خامی ہم نے یہ محسوس کی کہ اس دورہ کو وہ پبلسٹی اخبارات
میں نہیں ملی جس کا یہ مستحق تھا، دارالعلوم کے ذمہ داروں خصوصاً ان لوگوں کی جن کے ہاتھ میں اس
سلسلہ کی تقریبات کا اہتمام کرنا تھا اس طرف نظر ہی نہیں گئی ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ جہاں
انہوں نے اس مقصد کیلئے ایک بہت بڑا بجٹ منظور فرمایا تھا وہاں وہ اس میں قرب جوار کے چند اہم اخبارات خصوصاً دلی کے
اخبارات کے نمائندوں کو، عونہ کرتے کم از کم دلی کے مسلم اخبارات کو تو دعوت دی ہی جانی چاہیئے تھی
تھی، یہ شکایت نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے کہ ہم اس دورے کا حال تفصیل سے شائع کرنا چاہتے
تھے لیکن اس لئے مجبور رہے کہ ادارے کے کسی فرد کو وہاں شامل ہونے کا موقع نہیں ملا

بہرحال ہم اس کو اس لئے نظر انداز کرتے ہیں کہ دارالعلوم کے لئے یہ پہلا موقع تھا آیندہ کوئی ایسا موقع ہو تو اس کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ یہ پروپیگنڈہ کا زمانہ ہے ہم اس سے دور رہ کر فائدے میں نہیں رہ سکتے۔

ہمیں زمانہ کے ساتھ چلنا ہے، زمانہ کے ساتھ نہیں چلیں گے تو ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لئے باعزت شہری زندگی کا مقام حاصل نہیں کرسکیں گے، ہمیں اپنے پڑوسیوں کے قدم بہ قدم چلنا ہے اگر ایسا نہیں کریں گے تو ہم جو کئی وجوہ سے برادرانِ وطن سے پچھڑے ہوئے ہیں اور زیادہ پیچھے رہ جائیں گے۔

(پیامِ مشرق، ۸ اگست ۱۹۵۶ء)

نظرات

دنیا میں بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ فیکٹریاں ہیں، جہاں پُرزے ڈھلتے ہیں اور مشینیں بنتی ہیں۔ عظیم الشان یونیورسٹیاں ہیں جہاں علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں سے انجنیر۔ ڈاکٹر۔ وکیل اور بیرسٹر اور حکومت کے اعلیٰ افسر اور جلیل القدر عہدہ دار پیدا ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگیاں عیش و عشرت کے سامانوں سے بھرپور ہوتی ہیں، رہائش کے لئے عالی شان بنگلے اور کوٹھیاں، سواری کے لئے بیش قیمت موٹر کاریں، خدمت کے لئے نوکر چاکر۔ مکان کی آرائش کے لئے اعلیٰ قسم کا فرنیچر۔ بنک میں ہزاروں لاکھوں روپیہ ان کے نام، تمدن جدید کی تمام آسائشیں ان کو حاصل، لیکن صوبہ اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کے ایک معمولی سے قصبہ میں جس کا نام دیوبند ہے کچھ کم ایک صدی سے ایک کارخانہ قایم ہے جس کا نام دارالعلوم ہے، اس کارخانہ میں کل پرزے نہیں انسانی قلب و دماغ تعلیماتِ محمدی کے سانچہ میں ڈھالے جاتے ہیں مشینیں نہیں، یہاں انسان بنائے جاتے ہیں، جسم کی راحت و آسائش اور مادی زندگی کی رنگارنگی

نہیں بلکہ روح کی آسودگی، باطن کی صفائی اور تذکیۂ نفس کی دولت حاصل کرنے کے گُر یہاں پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں، جو لوگ یہاں سے بن بنا کر نکلتے ہیں ان کا مقصدِ حیات حطام دنیا کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا نہیں ہوتا، بلکہ ان کا نصب العین زندگی رحمۃ للعالمین کے نقشِ قدم پر چل کر انسانیتِ عامہ کے لئے رحمت بننا. بندگانِ خدا کی بے لوث خدمت کرنا. ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن کرنا..........

.... روحانیت اور اخلاقِ حسنہ کی دنیا کو اجاگر کرنا اور رب العلمین سے اس کے بندوں کا رشتہ مضبوط کر کے ان کے لئے روحانی سکون و اطمینان کا سامان فراہم کرنا ہوتا ہے۔

خدا پرستی دنیا کی سب سے بڑی شرافت اور نیکی ہے، اس کارخانہ کا اساسی مقصد ہی چونکہ سچے خدا پرست پیدا کرنا ہے اس بنا پر جو لوگ یہاں سے پیدا ہوتے ہیں وہ لا یشقی جلیسھم کا مصداق ہوتے ہیں وہ ہر ایک کے لئے خواہ وہ اپنے ہوں یا بیگانے، ملکی ہوں یا غیر ملکی رحمت ہوتے ہیں۔ فقر و درویشی ان کا شعار ہے۔ سادہ زندگی اور قناعت ان کا شیوہ ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ ان کا مقصد ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی جو انسانی سعادت و شرف کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ترویج و اشاعت اور اس کا استحکام و ترقی ہے۔

گذشتہ ماہ جولائی ۱۹۵۷ء کی ۱۳ر تاریخ کو صدر جمہوریۂ ہند دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تھے، یہاں موصوف نے مدرسہ کی عمارتیں دیکھیں، کتب خانہ کے نوادر ملاحظہ فرمائے۔ سپاسنامہ قبول فرمایا۔ آزادئ وطن کی راہ میں علمائے دیوبند کی قربانیوں کی داستان سُنی۔ اساتذہ اور طلبار کا سادہ طرزِ معاشرت بچشم خود دیکھا۔ عصرانہ میں شرکت کی اور پھر اپنی تعزیری دلپذیر میں مدرسہ کی نسبت اپنے جذبات واحساسات بیان فرمائے یہ سب کچھ تو ہوا۔ لیکن معلوم نہیں صدر جمہوریہ نے دارالعلوم کے کسی ایک مردِ مومن کا سینہ کھول کر

ایمان و یقین کی اس حرارت دگرمی کو بھی محسوس کیا جس کا براہِ راست تعلق مدینہ کی جلوہ گاہِ قدس سے ہو۔ کہ دراصل دارالعلوم میں موصوف نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا وہ صرف اس کا قالب اور ظاہر ہے، روح درحقیقت یہی ہے۔ صدر جمہوریہ خود بڑے پکے مذہبی انسان ہیں اگر وہ دارالعلوم کی اس روح کو دیکھ سکتے تو بے شبہ جتنے وہ متاثر ہوئے اس سے زیادہ ہوتے اور دارالعلوم کو اپنے ملک کے لئے قدرت کا سب سے بہتر عطیہ تصور کرتے۔

(ماہنامہ "برہان" دہلی اگست ۱۹۵۸ء)

مرتبہ

سید محبوب رضوی

محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند